ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغیِ علماء

مفتی انتظام اللہ شہابی

دینی بک ڈپو، اردو بازار، دہلی

ایسٹ اِنڈیا کمپنی

اور

باغی عُلماء

از

مفتی انتظام اللہ شہابی

دینی بُک ڈپو۔ اُردو بازار دہلی

قیمت [illegible] روپیہ اور پچیس نئے پیسے

مسٹر وائٹ ہڈ کا بیان ہے :-

"قومی تعلیم (یعنی انگریزی تعلیم) جاری کر کے ہندوستانیوں کی انفرادیت اور آزاد خیالی کو نابود کرنے کی کوشش کی"

جسقدر انگریزی ترقی کر رہی تھی اسی قدر تعلیمی تناسب گھٹ رہا تھا۔ ۹۲ فیصدی لوگ اب ناخواندہ ہو چکے تھے، اس لپیٹ میں مسلمان زیادہ آئے۔ مشن کالجوں اور اسکولوں میں عیسوی تعلیم دی جاتی تھی۔ ہندو مسلمانوں کی مذہبی تعلیم وہاں بند تھی۔ ہندوستانی اسطرف لپک رہا تھا کچھ مخالفت بھی ہوئی انکو مذہبی دیوانہ کہہ کر نظر انداز کیا گیا، اہل ملک کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر مذہبی مراسم پر نظر ڈالی۔ رسم ستی بند کی گئی۔ عقد بیوہ گان جاری کیا، ذات پات ختم کی گئی۔ حتیٰ کہ کورسوں میں مہاراج کرشن چندر جی کا ذکر خیر ہوتا تھا اسکی بندش کی جانے والی تھی۔ مسلمانوں پر یہ کرم ہوا کہ دہلی میں محکمہ قضاۃ تھا اس کو توڑ کر صدر نظامت قائم کر دیا۔ قاضی کے بجائے انگریز جج فیصلہ مذہبی کرتا۔ ۱۸۳۷ء میں قحط پڑا۔ جو غربا کے بچے مشن کو ہاتھ لگے وہ عیسائی کر لئے گئے۔

اس واقعہ کا اثر ہندو مسلمان ہر دو نے لیا۔ عیسائی مشن دن بدن کامیاب ہوتا جا رہا تھا۔ عوام میں کھلبلی مچ گئی۔ انکے پیشواؤں کو متوجہ ہونا پڑا۔ پنڈتوں نے اپنے گھر کو سنبھالنے کی کوشش کی، مسلمانوں میں علماء اور فقرائے ہاتھ پیر چلائے۔ درس و تدریس بھول گئے، اور نصاریٰ سے مقابلہ کے لئے سر بکف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ فقراء جو خانقاہوں میں گوشہ گیر تھے وہ غلبہ نصرانیت کی مخالفت میں لگ گئے۔

گوالیار میں محراب شاہ قلندر ایک بزرگ تھے جو سردار ستولے کے یہاں پیادہ کی خدمت انجام دیتے مگر اہل شہر انکے گرویدہ تھے۔ دور دور شہرت تھی

رئیس گونڈہ آنندی اور خوشحال زمیندار گوسائیں گنج، راجہ سکھ درشن سمرو نہ دس ہزار کی فوج سے ہمنوا ہوئے۔ سہجرام بخش نے بھی ساتھ دیا۔ راجہ لال مادھو سنگھ بہادر تعلقدار میتھی۔ رانا بینی مادھو بخش سنگھ پنواڑہ یہ سب لوگ اپنی اپنی فوج سمت چودھری حشمت علی کے شریک ہوئے بعد تسلط انگریز اکثر کو پھانسیاں بعض کو کالا پانی ہوا اور جائدادیں ضبطی میں آئیں۔

عباس مرزا ابن میر احمد داماد مرزائی بیگم مصاحبہ حضرت محل کو سفارت دہلی پر مقرر کیا۔ ساز و سامان کے ساتھ لکھنؤ سے دہلی پہونچے نواب زینت محل صاحبہ کی معرفت بحضور ظل سبحانی خلیفۃ الرحمانی پیش ہوئے برجیس قدر کا عریضہ ملاحظہ سے گذرا تحفہ تحائف نذر کئے حضور والا نے درخواست پر سبیل سے خود ارقام فرمایا۔

"فرزند ارجمند برجیس قدر شاہ اودھ آفرین ہو کہ چھوٹے سے سن میں تم نے بڑا نام کیا پیچھے سے تمہارے واسطے مہر اور خطاب بھیجے جائے گی خاطر جمع رکھو جو ملک قدیم تمہارا تھا اس سے زیادہ عطا ہوگا۔"[۱]

سفیر صاحب کی باریابی کے چند روز بعد ۲۸ محرم ۱۲۷۴ھ کو بادشاہ قلعہ سے مقبرہ ہمایوں تشریف لے آئے۔ انگریزی قبضہ پر ہونے لگا۔ عباس مرزا بسیار خرابی لکھنؤ آئے حضرت محل سے تمام حالات گوش گذار کئے۔ یہاں کی بساط سیاست الٹ چکی تھی یہ بھی انگریزی شکنجہ میں آئے عتاب نازل ہوا آخر کار جان سے گئے۔

---

[۱] قیصر التواریخ صفحہ ۲۴۲۔

معین الدولہ عمدۃ الامرا صفدر الملک سید ذوالفقار الدین حیدر نظارت خاں بہادر ذوالفقار جنگ المشہور حسین مرزا ابن مبارز الدولہ ممتاز الملک نواب حسام الدین حیدر خاں بہادر حسام جنگ رئیس دہلی لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ معین الدولہ کے روابط مرزا غالب سے بہت تھے۔ ۱۸۶۶ء میں انتقال ہوا۔ حسین مرزا کے بھائی آغا حیدر مرزا ناظر بہادر شاہ کے داماد تھے۔ ناظر صاحب کے انتقال کے بعد نظارت کا کام حسین مرزا کے سپرد ہوا۔ ہنگامہ کے بعد ان کے بزرگوں کا اثاثہ بے طرح لوٹا گیا حسین مرزا سخت پریشانی میں مبتلا رہے۔ مرزا غالب اِن کا بڑا خیال رکھتے تھے ان کے ہی بھانجے یوسف مرزا تھے۔

منشی رسول بخش قصبہ کاکورے کے رہنے والے تھے۔ انکے صاحبزادے میر عباس تھانہ دار یہ بھی انگریزوں سے مخاصمت رکھتے تھے اور اپنی حکومت کے خواب دیکھ رہے تھے ان کے ایک ساتھی صوبہ دار نے کارنگی صاحب کو خبر کردی۔ محمود خاں کوتوال پہونچے ان کو گرفتار کرلیا اور دار پر چڑھا دیا اور مال واسباب ضبط ہوا جس کا نیلام کیا گیا۔ مرزا فرخندہ بخش شاہزادے نے جس کو خرید کیا۔[۱]

نواب احمد قلی خاں ابن نواب عباس قلی خاں امرائے دہلی سے تھے۔ نواب زینت محل ان کی صاحبزادی تھیں دربار بہادر شاہی کے رکن تھے۔ کچھ عرصہ وزارت بھی کی۔ بادشاہ کی نظربندی کے بعد پانی پت چلے گئے۔ وہیں گرفتار ہوئے دہلی آکر قید کئے گئے وہیں قید ہستی سے آزاد ہوئے لاکھ روپیہ کا گھر ضبط سرکار ہوا۔

[۱] قیصر التواریخ صفحہ ۲۷۔

نواب عبدالرحمٰن خاں جھجر کے نواب تھے۔ علمی ذوق وشوق رکھتے تھے۔ مولانا فضل حق کو پانصد روپیہ ماہوار پر اپنے پاس بلایا ان کے والد بھی علماء کے قدردان تھے۔ جنگ آزادی میں بڑا حصہ لیا آخر گرفتار ہوئے کچھ عرصہ دیوان عام میں قید رہے پھر دار کے سزاوار ہوئے ان کے خسر عبدالصمد خاں ڈھائی سو سواروں کے افسر بادشاہی فوج کے ساتھ رہ کر انگریزوں سے نبرد آزمائی کرتے رہے پھر لاپتہ ہو گئے۔

محمد علی خاں خلف نواب شیر خاں چیلوں کے کوچہ میں سکونت تھی نواب بہادر جنگ کے پرگنہ کے رئیس تھے۔ گولی کا نشانہ بنے۔

نواب اکبر خاں ابن فیض اللہ خاں بنگش الور ہنگامہ کے بعد چلتے ہوئے وہیں گرفتار ہوئے اور گوڑگاؤں لاکر دار پر لٹکا دیئے گئے۔

نواب مظفر الدولہ اور حسین مرزا ابن نواب حسام الدین حیدر ابن آغا محمد شفیع حسین مرزا ناظر العہدہ نظارت قلعہ میں متعلق تھے مظفر الدولہ الور چلے گئے وہیں گرفتار ہوئے اور گوڑگاؤں میں گولی کا نشانہ بنے ان کے برادر زادہ طالع یار خاں اصغر یار خاں خلف حسین مرزا ناظر نوجوان اور خوبصورت الور میں گرفتار ہوئے۔ ایک سو آٹھ قیدیوں کے ساتھ دہلی لاکر قید کیا اور دو ماہ بعد بلا قصور دار پر چڑھا دیئے گئے[1]

نواب میر خاں خلف نواب مرتضیٰ خاں جاگیردار پلول معہ اپنے نوجوان صاحبزادے عثمان الور میں گرفتار ہوئے۔ نواب میر خاں گڑگاؤں لائے گئے بحکم مسٹر مورٹ کلکٹر نشانہ تفنگ اجل ہوئے[2]

مرزا عبداللہ صاحب عالم کے دربار کے رکن رکین تھے اس بنا پر

---

[1] دہلی کی سزا صفحہ ۱۵ ÷ [2] قیصر التواریخ جلد دوم صفحہ ۴۵۸۔

پھانسی دی گئی۔

امیر مرزا خلف محمد حاجی جان صاحب عالم مرزا مغل سپہ سالار اعظم کے مشیر کار رہنے کوچہ چیلاں میں قیام تھا اور سے گرفتار ہوئے گوڑگاؤں میں مارے گئے۔

میر محمد حسین خلف میر خیراتی سررشتہ دار محکمہ ایجنسی اور مرزا مغل بیگ کے ملازم ہو گئے پہلے جنرل بخت خاں کی سرکار میں منسلک تھے۔ الور میں گرفتار ہوئے دہلی لا کر کوتوالی میں دو ماہ قید رکھا پھر پھانسی دی گئی۔

حکیم عبدالحق ابن حکیم حسن بخش بلب گڑھ کی دیوانی پر مقرر تھے یہ بھی دار پر چڑھا دئے گئے۔

قاضی فیض اللہ کشمیری صدر الصدور کی کچہری میں سررشتہ دار تھے ہنگامہ کے زمانہ میں کوتوال دہلی کئے گئے تھے اس جرم پر پھانسی دے دی گئی۔

نواب محمد حسین خاں ابن نواب ارتضا خاں مرزا خضر سلطان کے نائب تھے۔ جھجر میں گرفتار ہوئے پھر پھانسی کی سزا ہوئی۔

عبدالصمد خاں ابن علی محمد خاں بادشاہ کی فوج میں رسالدار تھے۔ پھر واجد علی شاہ کے یہاں افسر فوج ہوئے پھر الور گئے وہاں سے دلی آئے اور گولی کا نشانہ بنے۔

دلدار علی خاں کپتان ساکن دہلی پانی پت سے گرفتار ہو کر لائے گئے اور ۱۷ جون ۵۸ء کو پھانسی دی گئی۔

میاں حسن عسکری صوفی شاہ سلیمان قدس سرہ کے خلفا سے تھے

بادشاہ بہت معتقد تھے۔ بخت خاں جنرل کو ملوا کر بطور تبرک عطا کی پندرہ
شوال ۱۲۷۵ھ کو پھانسی پر لٹکا دیے گئے۔

نواب احمد علی خاں رئیس فرخ نگر اپنے بھائی یعقوب علی خاں
ابن نواب مظفر علی کی جگہ گدی نشین ہوئے تھے۔ انھوں نے بہادر شاہ کی
روپیہ سے مدد کی تھی اس بنا پر علاقہ ضبط ہوا اور ستمبر ۱۸۵۸ء کو پھانسی دی
گئی ان کے چچا نواب غلام محمد خاں ٹونک سے گرفتار کر کے لائے اور قید
ہوئے۔"

نواب مجید الدین احمد خاں عرف نواب مجو خاں خلف نواب
محمد الدین احمد خاں مراد آبادی مکاتیب غالب کے نوٹ میں مولوی امتیاز علی
خاں صاحب عرشی لکھتے ہیں۔

"ان کے آبا و اجداد میں سے ایک بزرگ قاضی عصمت اللہ فاروقی
تھے یہ نواب عصمت اللہ خاں بہادر کے لقب سے مفتخر اور عہد
عالمگیری میں مختلف صوبوں کے گورنر رہ چکے تھے۔ خود نواب
مجو خاں بھی بہت بڑے جاگیر کے وارث تھے۔"

نواب مجو خاں میں جہاں امارت تھی اس کے ساتھ تہور اور شجاعت بھی
تھی۔ دولت کا یہ عالم تھا کہ اشرفیوں سے دیگیں بھری رہتیں جو تہ خانوں
میں رکھی رہتیں۔ سید محسن علی برادر منشی ولایت علی اخبر مراد آبادی بیان
کرتے تھے کہ نواب مجو خاں کا دربار لگا کرتا۔ تمام عمائد شہر شریک ہوتے۔
آئے دن اُن کے یہاں بڑے پیمانہ پر دعوت ہوا کرتی۔ نواب صاحب
مخیر بہت تھے۔ ان کے ایک بھائی نواب سعید الدین احمد خاں صاحب
تھے۔ مرزا غالب مراد آباد گئے تو انھیں کے پاس ٹھیرے۔ خود مرزا صاحب

لکھتے ہیں :-

"سعید الدین احمد خاں صاحب نے وہ تکریم و تعظیم کی میرے ارزش سے زیادہ تھی" ؎

نواب مجو خاں کے ایک مخلص دوست تھے چودھری عبد القادر عرب خاندان سے تھے۔ پہلوانی کا شوق تھا اور اپنے معاصر پہلوانوں میں امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ نواب صاحب اور چودھری صاحب ایک جان دو قالب تھے۔ ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں مراد آباد میں ان ہر دو بزرگوں نے نوائے آزادی بلند کیا۔

بہت کچھ چپقلش رہی۔ آخرش ہنگامہ فرو ہوا تو نواب صاحب تہخانہ میں سات تالوں میں روپوش ہوئے اور چودھری صاحب معہ اہل خاندان کے اپنے محلہ اصالت پورہ سے دوسری جگہ مقیم ہوئے۔ فوج ڈھونڈتی ہوئی پہونچی زنان خانہ میں گھس رہی تھی۔ چودھری صاحب کمرے سے اتر آئے اور کہا میں موجود ہوں اور اپنے کو سپرد کر دیا ان سے دریافت کیا نواب کہاں ہیں۔ چنانچہ نواب صاحب کے مکان پر جاکر کہا چودھری گرفتار ہو چکا اب تم بھی پردہ میں نہ رہو۔ روپوش رہنا بہادری نہیں ہے۔ چنانچہ نواب صاحب تالے کھولتے ہوئے آگئے اور حراست میں لے لئے گئے۔ چودھری صاحب اور نواب صاحب کو پھانسی دی گئی اور جائداد ضبط ہوئی۔

شاہزادہ محمد عظیم ابن جہاں اختر ابن شاہزادہ سنجر بن احمد شاہ درانی رہتک میں سپرنٹنڈنٹ کے عہدہ پر سرفراز تھے۔ اس ہنگامہ میں شریک

؎ مکاتیب غالب صفحہ ۶۶۔

ہو کر بادشاہ سے فوج لے کے رہتک پر قبضہ کیا۔ حکام نے ان کے اہل وعیال کو گرفتار کر کے ہانسی بھیجدیا۔ بادشاہ نے ان کو طلب کیا اس کے دوسرے دن حضور شاہ مقبرہ ہمایوں چلے گئے۔ یہ فوج ہمراہی کو لے کر متھرا ہوتے ہوئے بریلی گئے اور وہاں سے حضرت محل کے پاس ہوتے ہوئے تلسیٹی نیپال چلے گئے پھر ان کا پتہ نہ لگا مرے یا جیئے۔

نواب ممو خاں بہادر

میر واجد علی ممو خاں الملقب علی محمد خاں بہادر دار وغہ دیوان خاص شجاع اور بہادر شخص تھا۔ برجیس قدر کو تخت پر بٹھانے میں ممو خاں کی کار فرمائی کو زیادہ دخل ہے، عزل واجد علی شاہ سے انگریزوں سے اس کو عناد قلبی تھا۔ چنانچہ لکھنؤ میں جو کچھ ہنگامہ آرائی رہی اس میں حضرت محل مولوی احمد اللہ شاہ اور ممو خاں کی سعی کو دخل ہے ان پر حضرت محل پورا بھروسہ کرتی تھیں اور اس نے بھی قیام حکومت برجیسی کے لئے اپنی جان کی بازی لگادی تھی۔ جب حضرت محل مقابلہ سے ناکامیاب ہوئیں اور نئے کوٹ میں داخل ہوئیں۔ ممو خاں ساتھ تھے۔ جنگ بہادر سپہ سالار نیپال نے حضرت محل اور برجیس قدر کو تو اپنے پاس رکھا۔ باقی ہمراہیوں کو رخصت کر دیا۔

نواب ممو خاں اس خیال میں رہے کہ جناب عالیہ حضرت محل نے میرے لئے اجازت لے لی ہوگی۔ تو نیپالیوں کے کیمپ کے قریب آ گئے۔ نیپالی ایک گھاٹی پر مقیم تھے۔ بم بہادر بھائی مہاراجہ جنگ بہادر مع پلٹن کے وہاں تھا۔ وہ ممو خاں کے آگے بڑھتے پر مطلع آیا اور ان کو گھیرا لیا اور

کہا جنگ بہادر کو لکھتے ہیں اجازت پر آپ کو آگے جانے دیا جائے گا۔ممو خاں مطمئن ہو گئے۔ جنگ بہادر خود آیا اُن سے ملاقات کی اتنے میں بیل صاحب کمان افسر تھوڑی فوج سے لباس ع.ی میں آ کودے اور ان کو جنگ بہادر کے اشارے پر گرفتار کر لیا۔ ساتھی جنگلوں میں چلتے ہوئے۔ ۱۷ر دسمبر ۱۸۵۹ء کو داخل جیل خانہ ہوئے۔ مقدمہ چلا پھانسی کی سزا تجویز ہوئی اپیل کیمبل صاحب جو ڈیشیل کمشنر نے سنی اور حکم پھانسی منسوخ کر کے حکم دریائے شور دیا۔ جزیرہ انڈمن روانہ کر دیئے گئے۔ دو کان کر لی تھی۔ یہی بسر اوقات کا ذریعہ تھا وہیں انتقال ہوا۔[1]

میر محمد حسین خاں گورکھپوری

میر محمد حسین خاں ناظم گونڈہ و بہرائچ تھے لکھنؤ سے ہنگامہ کی خبر سن کر گورکھپور جانے کا ارادہ کر رہے تھے۔ کرنیل سینٹنہ صاحب معہ میم اور بچوں کے فیض آباد بھاگ کر آ گئے اور ایک جگہ چھپ گئے۔ میر علی حسین داروغہ اور میر احمد علی ماموں میر مہدی حسین خاں کو معلوم ہوا ناظم کے پاس گئے ان سے حال کہا۔ انھوں نے کہا ان سب کو لے آؤ چنانچہ وہ آ گئے تو کرنیل صاحب کو اعزاز و اکرام سے بٹھایا اور کھانا گھر میں سے منگوا کر سب کو کھلوایا اور ایک مکان خاص رہنے کو دیا مگر لباس ہندوستانی تبدیل کرنے کو کہا۔ کچھ عرصہ بعد اعظم گڈھ سب کو بھیج دیا وہاں سے شکریہ کی چٹھی آئی۔ مسٹر برڈ صاحب ڈپٹی کمشنر گورکھپور نے انکو مطلع کیا سات لاکھ روپیہ ہمارے پاس ہے یہاں چلے آؤ اور سارے علاقہ کا بندوبست تمھارے ذمہ ہے۔ میر محمد حسین

[1] قیصر التواریخ صفحہ ۳۶۸ جلد دوم۔

نے توجہ نہ کی بلکہ پانچ ہزار فوج سپاہ کی جمعیت سے گورکھ پور کو کوچ کیا۔ خلیل آباد دس کوس پر ہے۔ وہاں سے اور آگے پہنچے۔ بوڈ صاحب مضطرب ہو کر ۶ ہزار فوج اور کراچی میں خزانہ لے کر اعظم گڈھ کی راہ لی ہردو میں ایک مقام پر مڈبھیڑ ہو گئی۔ ناظم صاحب غالب آئے۔ مسٹر برڈ خزانہ چھوڑ کے چلتے ہوئے۔ اس کے ہمراہی ٹوٹ پڑے اور دشمن کی طرف سے غفلت برتی۔ برڈ صاحب نے موقعہ سے فائدہ اٹھا کر شب خون مارا ناظم صاحب کے سپاہی کثیر التعداد کھیت رہے۔ آخر ش جان بچا کر بقیہ فوج کو لے کر گورکھ پور آئے مسٹر برڈ دوبارہ خزانہ لے کر اعظم گڈھ چلتے ہوئے۔ یہاں میدان خالی تھا۔ مولوی سرفراز علی امیر المجاہدین نے کارگذاری کی تھی مگر جنرل بخت کے بلانے پر دہلی چلے گئے کوئی انتظام کرنے والا نہ رہا ناظم صاحب نے آکر گورکھ پور پر اپنی حکومت قائم کی ۲۵ ہزار نئے فوجی ملازم رہے جیل خانہ سے تمام قیدی چھوڑ دئے گئے اور ہر ایک کو کام پر لگایا اور کارخانے کھول دئے۔ جیل خانہ میں میگزین رکھا گیا۔ ۸ یا ۱۰ توپیں بھی حاصل کر لیں۔ ۲۶ ہزار روپیہ یومیہ خیرات پر تقسیم کیا جاتا دربار جمنے لگا۔ ایک درخواست سرکار برجیس قدر کی خدمت میں بھیجی گئی وہاں سے خلعت سرفرازی مع خطاب مقرب الدولہ میر محمد حسین خاں عنایت ہوا۔ ناظم نے چند روزہ داد و ستد کی لکھنؤ سے بھاگ بھاگ کر کثرت سے لوگ آگئے ان کو عزت توقیر سے رکھا۔

نیاری میگزین و قلعہ دوہس کی ہونے لگی ہزار مزدور کام پر لگائے گئے۔

وکیل مہاراجہ شیر جنگ بہادر وزیر اعظم وسپہ سالار ملک نیپال سے تعلقات پیدا کرنا چاہتے تھے۔ مگر وہ الگ تھلگ رہا۔

مگر تلنگوں نے لوٹ مار کا بازار گرم رکھا ناظم کی کوئی بات نہ چلی یہاں کی بد نظمی سے اطلاع پاکر مسٹر ونیگفیلڈ کمشنر بہرائچ اور برڈ صاحب کلکٹر گورکھ پور کے پاس فوج راجہ بلرام پور کے ساتھ ہوئی اور مہاراجہ جنگ بہادر نے بھی اپنے کارواں بھیجدئے۔ سب نے مل کر ناظم صاحب پر حملہ بول دیا۔ مہاراجہ جنگ بہادر کی طرف سے غافل تھے۔ آخر ش سخت مقابلہ ہوا۔ اور ناظم صاحب نے شکست پائی راجہ مان سنگھ نے کچھ دستگیری کی مگر انھوں نے بھی نگاہیں یکایک بدل لیں۔ آخر ش نادر مرزا کو ساتھ لے کر لانڈی میں حضرت محل کے پاس چلے آئے وہ خود نیپال جارہی تھیں۔ غرضکہ جنگل کا رستہ لیا۔ اعلان اماں بخشی پر میر مہدی حسن خاں اور ناظم صاحب میر دوست علی وغیرہ نمودار ہوئے۔ ناظم صاحب پر مقدمہ چلا تو فوقتی پھانسی لگے گی مگر کرنل صاحب مذکور نے احسان کا بدلہ دیا اور انکی جاں بخشی ہوئی [1]

لال بہادر خاں میواتی

لال بہادر خاں میواتی صوبہ دار علاقہ الور کا رہنے والا تھا راجہ الور کے یہاں ملازم رہا پھر گورنمنٹ میں بھی ملازمت کی اس کے رشتہ دار فتح پور سیکری میں رہتے تھے وہ الور سے فتح پور ہنگامہ میرٹھ سن کر آیا ادھر ۳۰ مئی ۵۷ء کو دو پلٹنیں رجمنٹ نمبر ۴۴ - ۶۷ سے تعلق رکھتی

---

[1] قیصر التواریخ صفحہ ۳۰۷ -

مدراس کا نواب زادہ فقیری لباس میں اُن کے پاس آیا اس سے بیعت ان شرائط کے ساتھ لی کہ وہ اپنی جان کی بازی انگریز کے اقتدار کے ختم کرنے میں لگادے[1]

چنانچہ نواب زادہ امارت کو چھوڑ کر اسی مقصد کے پیش نظر دربدر پھر رہا تھا۔ یہی وہ فرد ہے جس کو تاریخ غدر میں مولوی احمد اللہ شاہ دلاور جنگ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

کئے اور سینس کی ہندوستانی غدر کی تاریخ جلد ۴ صفحہ ۳۸۱ میں ہے:-

"مولوی احمد اللہ نے ناجائز قتل وغارت سے کبھی اپنی تلوار کو دھبہ نہیں لگنے دیا۔ وہ ہمیشہ مردانہ وار جرأت اور اولوالعزمی اور دیانتداری سے اپنے ملک کو اغیار کے پنجے سے چھڑانے کیلئے (انگریزوں سے) لڑتا رہا۔"

جونپور میں مولوی سرفراز علی شاگرد مولوی کرامت علی شغل معلم گیری اسکے ساتھ پیری مریدی بھی جاری ہے جو مرید ہوتا اسکو نصرانیت کے خلاف تلقین کرتے اور جہاد پر آمادہ کرتے سلطانپور کا ایک افغانی صوبہ دار نام سنکر بیعت کرنے آیا۔ بخت خاں اس کا نام تھا، انگریزی توپ خانہ کا افسر تھا۔ مرید کیا اور اس کو انگریز سے مقابلہ کے لئے تیار کردیا جو آگے جاکر دلی کی تاریخ میں جنرل بخت خاں کے نام سے مشہور ہوا۔ علاقہ سرحد میں مولانا مولوی سید احمد بریلوی اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے انگریزوں کے خلاف وہ آگ بھڑکادی تھی جو بجھنے میں نہ آئی۔

۱۸۵۴ء میں پادری فنڈر انگلستان سے ہندوستان آیا اور داعیان مذہب کو دشنام دہی کا محل بنایا۔ علماء بگڑ بیٹھے مولوی رحمت اللہ اور ڈاکٹر وزیر خاں سے

---

[1] تواریخ احمدی از مولانا تائب لکھنوی۔

ہیں خزانہ کی محافظت کے واسطے متھرا کو گئیں کھلم کھلا باغی ہو کر دہلی کو چلتی ہوئیں ۱۵ر جون کو گوالیار میں ہنگامہ ہوا۔ ۳ر جولائی کو انگریز مصلحت سے تعدادی ۵۸۰۰ یورپین عیسائی قلعہ میں پناہ گزیں ہوئے دو دن بعد نیمچ اور نصیر آباد کے فوجی آگرہ آئے موضع سوچلیہ پر ایک مختصر انگریزی فوج سے جھڑپ ہوئی جو پسپا ہوئی پھر شہر میں داخل ہو کر لوٹ مار کی انہی دنوں میں لال خاں آگیا قلعہ تک پہنچ کر لوٹا لفٹننٹ گورنر جان کولب کو ہیضہ ہوا۔ قلعہ میں دفن ہوئے۔ ماہ ستمبر میں بعد غلبۂ دہلی کرنیل گریتھڈ صاحب فوج لے کر دہلی سے آگرہ آگئے یہاں سے ہنگامی فتح پور میں مورچہ جما کر لڑے۔ ۲۰ر نومبر تک ان کا تسلط رہا۔ میواتی جانباز نکلے۔ آخر ش ۴ر فروری ۵۸ء کو انگریزی تسلط ہوا[لے] اور میواتیوں کو انگریزی فوج نے تباہ و برباد کر دیا۔ آگرہ سے سرگروہ دولہ شاہ تارکش تھے۔ ان کو پھانسی لگی لال بہادر ہاتھ نہیں لگا۔

غلام فخر الدین ابن علی بخش خاں رنجور مرزا غالب کے بھائی مرزا یوسف خاں کے داماد تھے۔ بہادر شاہ کی جاگیر کوٹ قاسم کے ناظم تھے یہ بھی گرفتار ہوئے ان کے متعلق مرزا صاحب ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

"غلام فخر الدین خاں کی دوڑ و پکاریاں ہوئیں ہیں صورت اچھی ہے خدا چاہے تو رہائی ہو جائے۔"[لے]

چنانچہ رہا ہو گئے۔

کوتوال شرف الحق فاروقی وطن تھانیسر تھا دلی آ رہے۔

لے مرقع اکبر آباد صفحہ ۳۱ - ۳۲ ۔ ۱۵۲ اردوئے معلیٰ۔

دربار شاہی سے منسلک تھے ہنگامہ ۵۷ء میں شہر کے کوتوال مقرر ہوئے بڑے تحملچہ سے شہر کا انتظام کیا بعد تغلب یہ بھی عتاب کے نذر ہوئے۔

نواب زینت محل نواب احمد قلی خاں ابن نواب عباس قلی خاں کی صاحبزادی تھیں ان کے دادا شاہ ولی داد خاں وزیر احمد شاہ ابدالی تھے حسن میں نور جہاں ثانی تھیں۔ بہادر شاہ کی محبوب بیوی تھیں جواں بخت ان کے صاحبزادے تھے۔ زینت محل بڑی عاقل خاتون اور بہاست ملکی خوب سمجھتی تھیں ہنگامہ ۵۷ء میں مشورہ میں شریک رہیں مرزا الٰہی بخش کے کہنے میں اکثر مصیبتیں مول لیں۔ آخرش ۲۸ مارچ چہارشنبہ ۱۲۷۵ھ بحراست فوج انگریزی چھ سوار گورے ایک توپ خانہ نواب زینت محل بادشاہ کے ساتھ رنگون گئیں نواب تاج محل خیرا آبائی۔ نہورا آبائی مرزا جواں بخت بہادر شاہزادہ مرزا شاہ عباس مرزا قیصر موسوم بفلاح قبر پرستار شاہ مرزا سلیمان شکوہ نواب شاہ آبادی بیگم زوجہ مرزا نوجوان بخت اور ان کے سالے ولایت علی بیگ مرزا عبداللہ بطن خیرا آبائی سے تھے احمد بیگ آبدار یا سط علی ۱۶ نفوس زن و مرد بادشاہ کے ساتھ رنگون گئے۔ ۲۷ ہزار اہل اسلام کو پھانسی لگی کمال الدین حیدر نے قیصر التواریخ میں لکھا ہے۔

"فوج باغی ۸ ہزار فوج انگریزی ۸ اسو اور ۵ ہزار گورے ۲۷۵ ہزار ہندوستانی اس ہنگامہ میں مارے گئے"[۲]

بہادر شاہ بادشاہ، ۷ نومبر ۱۸۶۲ء مطابق ۱۴ جمادی الاول روز جمعہ[۳] کے دن قید فرنگ و قید جسم سے آزاد ہوئے۔ ان کی خاتون نے

---

[۱] تواریخ اودھ صفحہ ۴۷۵ - [۲] تواریخ اودھ صفحہ ۴۷۵ جلد ۲۔ [۳] اُردو معلیٰ -

بھی رنگون میں انتقال کیا بادشاہ کے پہلو میں دفن ہوئیں۔

تاج محل وغیرہ کے متعلق مرزا غالب ایک خط میں لکھتے ہیں:-

"تاج محل (بیگم بہادر شاہ مرحوم) مرزا قیصر اور مرزا جواں بخت کے سالے ولایت علی بیگ جے پوری کی زوجہ ان سب کی الہ آباد رہائی ہو گئی۔ دیکھئے کیمپ میں رہیں یا لندن جائیں۔"

نواب حامد علی خاں اعتماد الدولہ میر فضل علی وزیر نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ کے داماد تھے اعتماد الدولہ کے بعد دہلی چلے آئے بیوی کے ترکہ سے ۹ لاکھ روپیہ ملا تھا خزانہ میں داخل کرا دیا اور ساڑھے چار ہزار ماہانہ ملتا تھا۔ غدر میں ان پر بڑی آفتیں نازل ہوئیں جائداد ضبط ہوئی اور محل سرا اور کوٹھی ڈھا دی گئی[1] ۱۴ ماہ حوالات میں رہے فروری ۱۸۵۹ء میں رہائی ہوئی۔

ضیاء الدولہ ابن حکیم رکن الدولہ پانسو روپیہ کی املاک غرق ہوئی تباہ و برباد ہوئے۔ پانی پت چلے گئے وہاں سے گرفتار ہو کر آئے۔

میر احمد حسین میکش مرزا غالب کے عزیز شاگرد تھے مرزا صاحب ۱۷ فروری ۱۸۵۸ء کے ایک خط میں میکش کے متعلق لکھتے ہیں:-

"سلطان جی میں تھا اب شہر میں آ گیا ہے دو تین بار میرے پاس بھی آیا۔ پانچ سات دن سے نہیں آیا۔ کہتا تھا کہ بی بی کو اور لڑکے کو بہرام پور میر وزیر علی کے پاس بھیج دیا ہے۔"

دوسرے خط میں لکھتے ہیں:-

"احمد حسین میکش کا حال کچھ تم کو معلوم ہے یا نہیں مخنوق ہوا

---

[1] اردوئے معلیٰ و غالب ۱۹۷۔

(یعنی پھانسی پا گیا) [۲]

مولانا رشید احمد بن مولانا ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش انصاری گنگوہی ۶ ذیقعدہ ۱۲۴۴ھ کو پیدا ہوئے۔ ننھیالی سلسلہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے ملتا ہے۔ ابتدائی کتب مولوی عنایت احمد سے پڑھیں۔ مولوی محمد بخش رام پوری قاضی احمد الدین جہلمی دہلوی اور مولانا مملوک علی سے فراغت علمی کی۔ مولانا محمد قاسم ہم سبق تھے۔ درس و تدریس مشغلہ تھا۔ ہنگامہ ۱۸۵۷ء کی لپیٹ میں یہ بھی آ گئے۔ قاضی محبوب علی خاں کی مخبری سے مولانا کی گرفتاری کا وارنٹ نکلا۔ مولانا اپنی داد دھیال قصبہ رام پور چلے گئے۔ وہاں حکیم ضیاء الدین کے مکان پر قیام پذیر ہوئے۔ چند دن گزرے تھے کہ گارڈن کرنیل فرانسیسی غلام علی ساکن قصبہ بلی پور ضلع سہارنپور مخبر کو سنتر سواروں کے ساتھ لے کر گنگوہ پہونچا آپ کے غمگسار ماموں زاد بھائی مولوی ابوالنصر جو صورت وضع میں مولانا سے مشابہت رکھتے تھے مسجد کے گوشہ میں گردن جھکائے مراقبہ میں بیٹھے تھے کہ دوڑ کے سپاہی نے گردن پر زور کا ہاتھ مارا اور قبضہ کر اس طرح پکارا :-

"چل کھڑا ہو کیا گردن جھکائے بیٹھا ہے"

مظلوم ابوالنصر کو پکڑ لائے اور کہا گھر کی تلاشی دلوا کہا ہتھیار ہیں۔ عرصہ تک ابوالنصر مار کھاتے اور ذلت سہتے رہے مگر یہ نہیں کہا میں نہیں ہوں۔ اور نہ یہ کہ مولوی رشید احمد کہاں ہیں۔ حاکم کو اندازہ ہوا ملزم یہ نہیں ہے۔ یہاں سے دوڑ رام پور پہونچی۔ حکیم

---

[۲] غالب صفحہ ۲۲۰۔

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

ضیاء الدین کے مکان سے مولانا کو گرفتار کیا گیا۔ ۱۲۷۵ھ کا آخر حصہ تھا۔ مولانا کو سہارنپور کی جیل میں قید کر دیا۔ تین چار یوم کال کوٹھڑی میں اور پندرہ دن جیل خانہ کی حوالات میں مقید رہے آخر عدالت سے حکم ہوا تھانہ بھون کا قصہ ہے اس لئے مظفر نگر منتقل کیا جائے چنانچہ جنگی حراست اور ننگی تلواروں کے پہرہ میں براہ دیوبند چند پڑاؤ کرکے پا پیادہ مظفر نگر لائے اور حوالات کے اندر بند کر دئے گئے چھ ماہ قید رہے آخرش چھوڑ دئے گئے اور وطن لوٹ آئے۔

قاضی عنایت خاں ابن قاضی سعادت علی خاں رئیس اعظم زمیندار تھانہ بھون ضلع مظفر نگر قاضی سعادت علی خاں کے مرنے پر ریاست کا کام سنبھال رکھا تھا ان کے چھوٹے بھائی عبد الرحیم خاں سہارنپور گئے۔ ایک بنئے نے سپنکی صاحب جو انتظام سہارنپور پر مامور تھے ان سے کہا عبد الرحیم بادشاہ دہلی کے لئے گھوڑے خریدنے آیا ہے اس پر سپنکی صاحب نے ایک گارڈ لست سرائے روانہ کیا اور عبد الرحیم خاں معہ ہمراہیوں کے الزام بغاوت میں دھر لئے گئے جیل بھیجدیا اور پھانسی پر چڑھا دیا۔ عنایت علی خاں کو یہ خبر لگی جوش حزن وملال میں اتفاقاً چند فوجی سوار کہاروں کے کندھوں پر کارتوسوں کی کئی بہنگیاں لادے سہارنپور سے کرانہ کی طرف جا رہے تھے کہ قاضی صاحب بمع چند ساتھیوں کو لے کر شیر علی کے باغ کی سمت سڑک پر جا پڑے اور کارتوس لوٹ لئے۔ اس کے بعد تحصیل شاملی کو لوٹ لیا چند ماہ بعد دہلی کے فتح ہو جانے کی خبر سے قاضی صاحب معہ ہمراہیوں کے تھانہ بھون آئے پھر نجیب آباد چلے

گئے پھر ان کا پتہ نہ لگا۔ سرکاری فوج نے تھانہ بھون کی اینٹ سے اینٹ بجادی[1]

مرزا عاشور بیگ مرزایان دہلی سے تھے آپ کے والد کا نام مرزا اکبر بیگ تھا۔ عربی فارسی میں فرد فرید علوم ریاضیہ ہئیت و ہندسہ میں یدطولی حاصل تھا۔ مرزا عاشور بیگ بہادر شخص تھے۔ ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں دستار و کمر بستہ بادشاہ کے پاس گئے۔ ان سے فوج طلب کی۔ انھوں نے کہا کہ اگر تم کو شوق جنگ ہے تو اس فوج کے افسروں سے معاملہ کرلو چنانچہ یہی ہوا۔ ایک دو پلٹنیں لے کر وہ شہر کے باہر نکلے۔ بانک پت پر گوروں سے مقابلہ ہوا اور کئی چھکڑے غنیمت لوٹ کر گھر واپس آئے۔ مرزا کے سامنے نواب ضیاء الدولہ گھر واپس آئے

مرزا کے سالے نواب ضیاء الدولہ شاہی طبیب تھے۔ جب تغلب و استیلاء انگریزوں کا دلی پر ہوا مرزا عاشور بیگ معہ اپنے فرزند اکبر مرزا احمد بیگ گوروں کی جمعیتہ سے مقابل ہوئے۔ سرتھا فلس متکاف ساتھ تھا۔ مرزا احمد بیگ نے میان سے تلوار نکالی عاشور بیگ نے ان کو روک دیا اور کہا بس اب شہادت کے لئے تیار ہو جاؤ اور کلمہ توحید ورد کرو۔ سرتھا فلس نے عورتوں بچوں کو جو اُن کے ساتھ تھے علیحدہ کھڑا کردیا اور مردوں کی برسن بستہ قطار کھڑی کردی اور حکم فائر کا دیا۔ برسن بستہ قطار مثل مرغان مذبوح لوٹنے لگے[2]

مرزا عاشور بیگ بہت حسین و جمیل آدمی تھے نہایت گورے بھبوکا رنگ آنکھیں سنہری مائل کرنجی ریش و بروت و موے سر گہرے

---

[1] تذکرہ شہید صفحہ ۴۷، [2] کارنامہ سروری صفحہ ۱۷-۳۲-

بھورے اور سنہرے تھے۔ قد نہایت بلند و بالا دوہرا جسم کسرتی سانچے میں ڈھلا ہوا۔ عربی فارسی ہیئت و نجوم و ہندسہ میں مثل اپنے والد کے مشہور آفاق تھے۔ غصہ ان کے مزاج میں کمال درجہ کا تھا۔ مرید حضرت شاہ رفیع الدین کے تھے محلہ کشن گنج میں دفن کئے گئے۔

نواب ضیاء الدولہ فرزند حکیم نواب رکن الدولہ وزیر بہادر شاہ لحیم و شحیم میانہ قد۔ گندمی رنگ۔ ریش و بروت و موے سر سیاہ و سفید خوش مزاج وسیع الاخلاق کثیر الاملاک مگر ہنگامہ میں تمام گھر لٹ گیا۔ تلنگوں اور گوروں نے تنکا تک نہ چھوڑا اور املاک و جائداد بجرم بغاوت بحق سرکار ضبط ہوئی۔ جان بچ گئی۔ لکھنؤ مرزا عباس بیگ کے پاس چلے گئے۔

راجہ تجمل حسین خاں تعلقدار بھٹوا مؤ بر جیس قدر کے ہمدردوں میں سے تھے۔ راجہ صاحب دبلے سوکھے سبزہ رنگ میانہ قد سادہ مزاج اس زمانہ کے مطابق تعلیم یافتہ۔ ایام غدر میں اکثر راجگان ہنود و مسلمان بادشاہ کی نمک خواری کی وجہ سے انگریزوں کے مقابلہ پر کھڑے ہو گئے تھے۔ راجہ صاحب معہ اپنے ملازمین اور اہل قرابت جنرل اوٹرم کو روکنے کے واسطے علیش باغ میں صف آرا ہوئے اور دھوم کی لڑائی ہوئی راجہ زخموں میں چور اور دگرد کثیر التعداد کشتگان مردوں میں بیہوش پڑے رہے۔ جب ہوش آیا۔ در ب باغ کے اندر پہونچے کچھ دن بعد جنرل بیرونے ان کو گرفتار کیا۔ باہم جواب ترکی بہ ترکی ہوئے۔ راجہ نے بکمال جواں مردی کہا کہ ہم پر ادائے حقوق نمک خواری فرض تھا۔ رئیس اودھ کا نمک کھایا تھا لڑے، اگر تمہارا کھائیں گے تمہارا

ساتھ دیں گے۔ جنرل ان کی جواں مردی پر فریفتہ ہو گیا اور ان کے لئے سفارش کی آخر بری ہو گئے۔[1]

جنرل محمود خاں نجیب آبادی ابن نواب معین خاں ابن نواب ضابطہ خاں ابن نواب نجیب الدولہ بہادر امیرانہ طور طریق سے زندگی بسر کی۔ ۵ جون ۵۷ء کو نجیب آباد میں اپنی امارت کا اعلان کیا۔ احمد اللہ خاں نے محمدی جھنڈا لہرایا اور جلال آباد کے قریب حریت نوازوں کو ہمراہ لے کر مورچہ بنا کر بیٹھ گئے۔ شفیع اللہ خاں نے چار ہزار سپاہ فراہم کی اور احمد اللہ خاں کے ہمنوا ہو گئے۔ جنرل صاحب کا تمام قرب و جوار میں اخلاقی اثر بہت زیادہ تھا۔ بہادر شاہ نے امیر الدولہ ضیاء الملک محمد محمود خاں بہادر مظفر جنگ خطاب سے سرفراز کیا۔ شہزادہ فیروز شاہ مراد آباد پر حملہ آور ہوئے۔ نجیب آباد سے فوج ان کے معاون ہو گئی۔ آخر ش انگریز سے اور نواب سے مقابلہ ہوا۔ ناکامی کا منھ دیکھنا پڑا۔ حب الوطنی کے جرم میں پھانس لئے گئے۔ مقدمہ چلا کالے پانی کی سزا تجویز ہوئی۔ مگر قید فرنگ میں سوتے کے سوتے رہ گئے اس طرح زندگی کا خاتمہ ہوا۔[2]

محمد شفیع بریلوی آٹھویں سواروں کی رجمنٹ کے افسر تھے مسٹر میکن زئی نے بہت چاہا محمد شفیع وطن پرستوں کی دستگیری نہ کریں مگر انہوں نے توپ خانہ بریلی پر قبضہ کیا اور علم سبز لہرا دیا۔ اور نواب خان بہادر خاں کے ساتھیوں میں ہو کر انگریز سے لڑتے رہے[3] آخری

---

[1] کارنامہ سروری صفحہ ۵۹ ÷ [2] ضیاء الملک جنرل محمود خاں از سیدہ انیس فاطمہ بریلوی (مصنف اکتوبر ۴۶ء) ÷ [3] بغاوت ہند صفحہ ۱۸۲۲۔

زندگی کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔

نواب اصغر یاب خاں اور ان کے بھائی نواب صفدر یار خاں خلف نواب طالع یار خاں شہزور اور سپاہیانہ روش کے تھے۔ ان کے والد نواب وزیر الدولہ کے اتالیق رہے، یہ ہر دو بھائی دلی آگئے اور بہادر شاہ کی سرکار میں ملازم ہو گئے۔ ۵۷ء میں اصغر یاب خاں نے ریذیڈنٹ کو سخت کلامی پر جو اس نے بادشاہ سے کی تھی ثمن برج پر چڑھتے ہوئے گولی سے ٹھنڈا کر دیا۔ جب بادشاہ مقبرہ ہمایوں چلے گئے یہ دونوں بھائی الور پہنچے۔ جائدادیں ضبط ہوئیں۔ مرزا ذکر یا بیگ نے انعام کے لالچ میں الور سے گرفتار کرا دیا۔ دلی لائے گئے مقدمہ چلا اور پھانسی پر لٹکا دئے گئے۔[۱]

نواب مرزا ماہ رخ بیگ خاں (داماد طالع یار خاں) ابن نواب مرزا بیگ خاں عماد جنگ مرزا مغل کے ساتھی تھے۔ یہ بھی الور سے گرفتار ہو کر آئے اور اپنے سالوں کے ساتھ پھانسی پائی۔ لال کنواں اور فراشخانہ کی جائداد ضبط ہوئی۔

مولانا شاہ عبد القادر لدھیانوی

مولانا شاہ عبد القادر ابن مولانا عبد الوارث لدھیانوی پنجاب میں یہ خاندان علم و فضل کے اعتبار سے بھی بلند پایہ رکھتا ہے۔ مولانا شاہ عبد القادر ۱۷۹۶ء میں لدھیانہ سے تحصیل علم کے لئے روانہ ہوئے اور دلی آ کر مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی کے درس میں شریک ہوئے ہیں۔ تکمیل

۱؎ مرزا افضل بیگ صاحب نے یہ حالات سنائے۔

اس سے آگرہ میں مناظرہ ہوا شکست کھا کر ایسا ہی شب میں ایسا چھپا کہ پھر ہندوستان میں نظر ہی نہ آیا۔ علماء نے نصرانیت کے خلاف رسالہ بازی شروع کردی۔ علماء کی طرح ہندوستان کے پنڈتوں نے دھرم شاستر کے احکام نکال لئے تھے اور پتروں سے سبہ مورت نکال کر وطن پرستوں کو گرماتے اور فرماتے تھے کہ انگریزوں سے لڑو فتح تمہاری ہوگی۔ (تاریخ بغاوت ہند صفحہ ۶۷۶)

حسن اتفاق نانا راؤ پیشوا کی آٹھ لاکھ کی پنشن ڈلہوزی نے ضبط کرلی اور باجی راؤ کا متبنیٰ ان کو نہیں گردانا۔ انہوں نے اپنے سربراکار عظیم اللہ خاں کو ولایت بھیجا مگر ڈائریکٹران نے کوئی توجہ نہ کی۔ پانچ لاکھ روپیہ صرف کر کے لوٹ آیا۔ ہر دو انگریزی سلطنت کے الٹنے کے درپے ہو گئے۔ کہا جاتا ہے غدر کی اسکیم کے بانی دلاور جنگ اور نانا راؤ اور عظیم اللہ ہی تھے۔ نانا صاحب کا ساتھی تانتیا ٹوپی فوجی جنرل تھا۔ اس نے جوگی بنکر بنگالی فوجوں میں بغاوت کی لہر پیدا کردی۔

مسٹر چارلس بال اپنی تصنیف میں ایکے متعلق لکھتا ہے:۔

"انگریز سے ذرا کم مضبوط دشمن سے اگر تانتیا ٹوپی کو واسطہ پڑتا تو وہ ایک وسیع مرہٹہ سلطنت قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتا اور پھر سے پیشوا بن جاتا"۔ ؎

احمد نگر کے علاقہ کا رہنے والا تھا کچھ عرصہ نانا فرنویس کی فوج میں عہدہ دار رہ چکا تھا۔ مگر اس بہادر کو راجہ مان سنگھ اپنی جائداد کو بچانے کی خاطر انگریزوں کے ہاتھ سونے میں پکڑوا دیتا ہے مقدمہ چلتا ہے آخر ۴۹ برس کی عمر میں دار پر چڑھا دیا جاتا ہے۔ ان جملہ حضرات نے ۱۸۵۷ء میں ہندوستان کو تو دہ بارود بنا دیا تھا صرف شتابہ لگانے کی دیر تھی کہ برطانی جنرل جو میرٹھ میں کمانڈر فوج کا تھا

؎ ہندوستانی غدر کی تاریخ جلد دو صفحہ ۶۰۴ ۔

کی اور تربیت روحانی پائی ۱۸۲۵ء میں واپس وطن آئے اور رشد و ہدایت میں لگ گئے۔[1]

اس زمانہ میں احمد شاہ ابدالی کے پوتے شاہ زماں اور شاہ شجاع الملک انگریزی سیاست کا شکار ہوکر کابل سے لائے گئے اور لدھیانہ میں نظر بند ہوئے وہ حضرت شاہ عبدالقادر کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے۔ مولانا کو انگریزوں سے دلی نفرت تھی ڈپٹی کمشنر چاہتا تھا کہ مولانا اعلیٰ عہدہ قبول کر لیں۔ آپ نے انکار کر دیا۔ مولانا کے حلقہ اثر میں انقلابی تحریک پنجاب کے علاقہ میں پھل پھول رہی تھی ۱۸۵۷ء میں مولانا اور آپ کے فاضل بیٹوں مولانا سیف الرحمٰن مولانا محمد مولانا محمد عبداللہ مولانا شاہ عبدالعزیز نے سرگیف حصہ لیا۔ مولانا معہ اہل وعیال اور اپنے مریدوں کو لے کر دہلی جنگ آزادی میں شرکت کرنے کے لئے تشریف لائے اور مسجد فتح پوری کے حجروں میں قیام کیا۔ یہیں ان کی زوجہ محترمہ کا وصال ہوا جو صحن مسجد میں دفن ہوئیں۔ مگر پانسہ الٹ چکا تھا۔ مولانا پھر واپس وطن ہوئے۔ مگر خلوت نشین ایک عرصہ تک رہے۔ گورنمنٹ نے تلاش بہت کرائی مگر خدا نے بچائے رکھا۔ آپ نے نیشنل کانگریس کی شرکت کے لئے فتویٰ شائع فرمایا۔ آپ کے صاحبزادہ مولانا عبدالعزیز اور مولانا عبداللہ اور شیخ احمد جان تاجر دہلوی جو کہ اسلحہ کے تاجر تھے۔ حکومت نے افغانستان سے ساز باز کرنے کے الزام میں گرفتار کر لیا۔ شیخ صاحب جیل میں سدھارے

---

[1] مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کے صاحبزادے مولوی عزیز الرحمٰن جامعی سے یہ حالات معلوم ہوئے۔

یہ لوگ مقدمہ سے بری ہو گئے۔ مولانا محمد کے صاحبزادے مولانا محمد ذکریا تھے جن کے خلف الرشید فخر احرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی ہیں جن کی سیاسی مساعی روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ میرے دوست حکیم مولوی محمد عبدالحفیظ صاحب ابن مولانا عبداللہ نواسہ مولانا عبدالعزیز جو ایک عرصہ تک مجلس احرار دہلی کے صدر رہے۔ مولانا شاہ عبدالقادر نے ۱۲۷۵ھ میں انتقال کیا سنرانہ (پٹیالہ) میں دفن ہوئے۔

مولوی شاہ محمد حسن پٹنہ کے صاحب اثر حضرات میں سے تھے ان کے ہمنوا مولوی احمد اللہ، مولوی واعظ الحق جانباز لوگوں میں سے تھے۔ بہار کے راجہ کنور سنگھ صاحب نے بہار میں سیاسی سرگرمی عمل دکھائی ان بزرگوں نے بھی اس کا اثر لیا۔

راجہ کنور سنگھ جگدیش پور صوبہ بہار کے صاحب اقتدار رئیس تھے[1] پہلی جنگ آزادی میں ان کی عمر اسّی سال کی تھی سرِبکف میدان میں اتر آئے۔ انقلابی فوج کے سردار بن گئے۔ آرہ کے خزانہ پر قبضہ کیا۔ انگریزی فوج سے مقابلہ ہوا۔ لارڈ کننگ گھبرا گئے۔ بنارس آگر لارڈ مارک کی فوج سے بھڑ گئے۔ راجہ مثل بجلی کے ادھر سے ادھر کوندتے پھرتے تھے بلیا کے قریب ایک ہاتھ میں گولی لگی اس کو اپنی تلوار سے کاٹ کر پھینک دیا۔ آٹھ ماہ جنگ کرنے کے بعد اپنی راجدھانی پر قبضہ کیا۔ مگر قسمت سے پانسہ الٹ گیا ان کو بھی نیپال کی ترائی میں جانا پڑا۔ وہیں عالم غربت میں انتقال کر گئے۔ (مسلمانوں کا روشن مستقبل صفحہ ۹۳۔

---

[1] تاریخ بغاوت ہند صفحہ ۷۶۸۔

ہنگامہ کے دوران میں مسٹر ٹیلر نے ان تینوں شاہ محمد حسن وغیرہ کو بلا کر دھوکے سے جیل خانہ بھیج دیا۔ مجسٹریٹ مولوی محمد مہدی تھے ان کو یہ واقعہ ناگوار گذرا اور مسٹر ٹیلر کے خلاف ہو گئے جس کی بنا پر ان کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ پولیس افسر وارث علی کو یہ حرکت بار خاطر ہوئی اور انھوں نے خفیہ وطن پرستوں کی امداد کی۔ مسٹر ٹیلر کی غداروں نے جا لگائی ۲۳ جون کو یہ بھی پکڑے گئے۔ علی کریم رئیس پٹنہ ان صاحبوں کے ہمنوا تھے۔ پکڑا دھکڑی دیکھ کر ٹیلر کے روبرو ہاتھی پر سوار ہو چلتے ہوئے ہنگامہ ختم ہوا سب کو بڑی بڑی سزائیں ہوئیں۔ آگے کا حال معلوم نہ ہو سکا۔

راجہ بینی مادھو بخش تعلقدار نظامت بیواڑہ حضرت محل کی رفاقت میں رہے۔ میدان جنگ میں کام آئے۔[۱]

راجہ ناہر بلبگڈھ کے رئیس تھے۔ بہادر شاہ کے دربار کے رکن تھے پھانسی پائی بیس لاکھ روپیہ ضبطی میں آیا۔[۲]

کمانڈر ہیرا سنگھ دلی الور سے فوج لے کر آئے تھے۔ ان کو پھانسی ہوئی۔[۳] ان کے ساتھی سردار غوث محمد خاں صوبہ دار اور گردھاری لال تھے۔ راجہ کنور سنگھ شاہ آبادی نانا راؤ پیشوا کے رفیق کار تھے۔

قادر بخش صوبہ دار سفرمینا فوج دہلی کو انڈمان کی سزا ملی۔

راجہ مادھو سنگھ رئیس گڈھ امیٹھی نے دو ہزار سپاہی سے مقابلہ کیا۔

---

[۱] قیصر التواریخ حصہ دوم صفحہ ۳۷۳۔ [۲] ر صفحہ ۶۵۶۔

[۳] غدر کی صبح و شام صفحہ ۸۳۔

آخر میں روپوش ہو گئے۔

راجہ دیبی سنگھ بہادر شاہ کے درباری تھے۔ سالگ رام، نواب موسیٰ خاں، نواب احمد مرزا حکیم عبدالحق یہ لوگ مل کر فوج کے لئے غلّہ اور روپیہ کا انتظام کرتے تھے کوئی پھانسی چڑھا کوئی انڈمان گیا[1]

نواب علی رئیس گجرات، تلارام رئیس ریواڑی، مکند لال، میر منشی بہادر شاہ دہارا جہ بال کرشن رفیق بر جیس قدر نریت سنگھ رئیس ان کو سزائیں ہوئیں۔

مرزا بیدار بخت۔ بہادر شاہ کے پوتے تھے۔ نانا راؤ اور عظیم اللہ خاں کے مشورہ سے ایک اخبار دلّی سے نکالا "پیام آزادی" نام تھا۔ اِس اخبار نے ۵۷ء میں بڑی خدمت انجام دی۔ انگریزی تسلط پر ان کو پکڑ لیا گیا اور جسم پر سؤر کی چربی مل کر پھانسی دے دی گئی۔

مولوی جلال الدین

مولوی جلال الدین احمد ابن مولوی عبدالاعلیٰ بنارسی اپنے والد مولوی احمد اللہ بنارسی کے شاگرد تھے۔ سند حدیث مولوی عبدالحق بنارسی سے لی۔ عامل بالحدیث و تتبع سنت نبوی وفانع و متقی تھے۔

"جید الحافظ آنچنان بود کہ در یک روز یک پارہ کلام مجید حفظ نمود وقت شب بماہ رمضان تراویح می خواند"[2]

آپ نے بھی ہنگامہ ۵۷ء میں حصہ لیا مگر حکومت کے شکنجہ سے بچ گئے۔ زبدۃ القوانین (صرف و نحو) و شرح کافیہ یادگار سے ہے۔ بنارس

[1] غدر کی صبح و شام صفحہ ۸۰ — [2] تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۱۴۱ ۔

کالج میں پہلے مدرس تھے۔ ۱۲۷۹ھ میں بعمر ۵۸ سال وفات پائی۔

سید حسین علی ابن سید مدد علی نبیرۂ حضرت بھلے شاہ سادات نو محلہ سے تھے۔ یہ میرٹھ میں سرکاری فوج میں رسالدار تھے جو فوج حکومت سے منحرف ہوئی تھی۔ اس کے سرگروہ ہو کر دلی آئے۔ مرزا مغل کے ساتھ رہے آخری مورچہ میں کام آئے۔ ان کے بھائی میر فیض علی نے معہ اپنے اہل خاندان کے نواب خان بہادر خاں کا ساتھ دیا۔ پانسہ اُلٹا پڑا۔ اپنی ماں بہنوں کو آمادہ کیا کہ وہ سادات کی لاج رکھتے ہوئے کوئیں کی نذر ہوں۔ چنانچہ بخوشدلی ہر سیدانی نو محلہ کی مسجد کے کوئیں میں کود پڑی۔ یہ آگرہ آئے ان کی بیوی کے بھائی مولوی صفدر علی شکوہ آبادی کو ایک انگریز کے قتل پر رام سنگھ گیٹ پر پھانسی دی جا چکی تھی۔ بیوی شکوہ آباد میکے مقیم تھیں۔ ان کو آگرہ بلا لیا۔

ملک باقر علی بلہوری زمیندار تھے ہنگامہ سے ترک وطن کر کے آگرے رہتے ان کے ساتھ اپنی ایک دختر منسوب کی دوسری دختر مولوی اکرام اللہ گوپاموی صاحب نصیر الشعرا سے بیاہی گئیں سید سبط حسن صاحبزادے تھے۔ [۱]

امراؤ بہادر برادر دتیلے خاں جاگیردار گڈھی علی گڈھ پچاس بہادر سپاہی لے کر دلی آگئے اور عمر شہاب کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں باریاب ہوئے۔ ان دونوں سرداروں کے نام افسران کی حیثیت سے شاہی فہرست میں لکھ لئے گئے [۲] ہر دو نے بڑی بہادری دکھائی

[۱] انکی ایک صاحبزادی زندہ ہیں جن سے یہ حالات معلوم ہوئے۔ [۲] غدر کی صبح و شام صفحہ ۸۰۔

اور میدان مصاف میں کام آئے۔[1]

داروغہ شیخ محمد بخش ساکن بستی تحصیل دہلی ان کے صاحبزادہ شمس العلماء شیخ ضیاء الدین دہلوی تھے۔ بوقت تسلط انگریزی فوج کے سپاہی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔[2]

بہادر شاہ کا آخری فرمان

(تمام راجگان ہند کے نام جاری ہوا)

جمیع راجگان و رؤسائے ہند پر واضح و لائح ہو کہ تم بہ وجوہ نیکی اور نیک خصلتی اور فیاضی میں مشتہر الدہر والعلوم ہو اور تمہاری حسن حمایت طرز اور فہم اور ہدایت سے مذہب ہندوستان کی اعانت ہے۔ لہٰذا از راہ خیر اندیشی تمہارے تم کو ہدایت ہوتی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے تم کو اپنے مختلف مذاہب کے قائم کرنے کے واسطے پیدا کیا ہے اور تم پر فرض ہے کہ اپنے عقائد اور قوانین مذہبی کو بخوبی درست جانو اور ان پر ثابت قدم رہو۔

کیونکہ خداوند تعالیٰ نے تم کو یہ مرتبہ عالی اور ملک اور دولت اور حکومت اسی واسطے بخشی ہے کہ تم ان لوگوں کو جو تمہارے مذہب میں رخنہ اندازی کریں غارت کرو۔ اور جو اشخاص کہ تم میں سے صاحب طاقت ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان لوگوں کو جو تمہارے مذہب کو بگاڑنا چاہتے ہیں نیست و نابود کریں۔ اور جو اتنی قدرت نہیں رکھتے وہ بدل و جان ایسی تدبیروں میں مشغول رہیں جن سے ان کے مذاہب کے دشمنوں

---

[1] تاریخ بغاوت ہند صفحہ ۶۹۔ + [2] واقعات دار الحکومت حصہ دوم صفحہ ۱۷۹۔

کی پائمالی ہو اور یہ تمہارے عقائد کی کتابوں میں لکھا ہے کہ مذہب بدلنے سے مر جانا بہتر ہے اور واقع میں یہی حکم خداوند تعالیٰ کا بھی ہے جو خاص و عام پر روشن ہے۔ انگریز جملہ مذاہب کو غارت کیا چاہتے ہیں۔ اور ہندوستان کے تخلل مذاہب کے واسطے انہوں نے ایک مدت سے بہت سی کتابیں لکھوا کر اپنے پادریوں کے ہاتھ سے سب ملک میں تقسیم کرائی ہیں۔ اور پادریوں کو بلا کر اپنے مقولوں کا اعلان کیا ہے سمجھنے کی بات ہے کہ انگریزوں نے کیا کیا تدبیریں واسطے غارتی ہمارے مذاہب کے کی ہیں۔

اول یہ کہ جب ایک مرد مر جاوے تو اس کی بیوہ دوبارہ شادی کرے۔

دوسرے یہ کہ ستی ہونے کی ایک رسم مذہبی قدیم تھی جس کو انگریزوں نے اپنے قوانین کی رو سے موقوف کیا۔

تیسرے یہ کہ انہوں نے عام خلقت کو علانیہ سمجھایا کہ اگر وہ ان کا مذہب قبول کر لیں گے تو سرکار میں ان کی توقیر ہوگی۔ اور یہ بھی ہدایت کی کہ تم عیسائی کلیساؤں میں جا کر وعظ سنو علاوہ اس کے انہوں نے یہ حکم قطعی دیا ہے کہ صرف حقیقی اولاد راجگان و رئیسان ہند کی مسند نشین ہوگی۔ اور گودلی ہوئی اولاد کا کچھ حق نہ ہوگا۔ حالانکہ از روئے شاستر دس طرح کے مختلف وارث سلطنت ہو سکتے ہیں۔ اس تدبیر سے ان کا مطلب خاص یہ ہے کہ وہ آخر تمہاری ریاستیں اور جاگیریں چھین لیں۔ جیسا کہ انہوں نے فی زمانہ ریاستہائے لکھنؤ اور ناگپور میں عمل کیا۔ ورائے ازیں ایک اور تدبیر انہوں نے یہ بھی کی قیدیان جیل خانہ کو جبراً ہی لگی

ہوئی روٹیوں کے کھانے کا حکم دیا اور اکثر قیدیوں نے تو یہ امر قبول نہیں کیا بھوکے مر گئے اور بہتوں نے ناچار ہو کر روٹی کھانا قبول کیا۔ اور اپنا مذہب کھو دیا۔

جب یہ تدبیر انگریزوں کی اچھی طرح نہ چلی تو انھوں نے آٹے اور شکر میں ہڈیاں پسوا کر ملائیں تاکہ لوگ اس کو بلا کسی ظن اور شبہ کے کھا کر اپنا ایمان کھو دیں۔ اور چھوٹے چھوٹے ٹکڑے استخوان اور گوشت کے جانوروں کے ساتھ ملوا کر سر بازار بکوایا۔ علاوہ اس کے انہوں نے ہر ایک تدبیر ایسی کی جس سے ہمارے مذاہب غارت ہوں۔ انجام کار بعض بنگالیوں نے بعد غور یہ امر قرار دیا کہ اگر ابتداء میں اہل فوج اس معاملہ مذہبی میں پیرو رائے انگریزان ہو جاویں تو فرقہ بنگالیان بھی انہیں کی رائے کے مطابق کاربند ہو گا۔ انگریزوں نے اس تدبیر کو بہت پسند کیا۔ اور بے اندیشہ کہ چاہ کندہ را چاہ در پیش۔ برہمنان اور افضل قوم کے لوگوں کو ان کارتوس کے کاٹنے کا جن کے بنانے میں چربی لگی تھی حکم دیا۔ اس حالت میں اگرچہ مسلمان سپاہیوں نے خیال کیا کہ ان کارتوسوں کے کاٹنے سے مذہب ہنود کا صرف جاتا رہیگا لیکن تاہم انہوں نے اُن کے کاٹنے سے انکار کیا۔ تب ان سپاہیوں کو جنہوں نے کارتوس کا ٹنے سے انکار کیا۔ انگریزوں نے توپ سے اڑا دیا۔ یہ ظلم شدید دیکھ کر سپاہ نے انگریزوں کا قتل شروع کیا۔ اور جہاں کہیں فرنگی کو پایا مار ڈالا اور بفضل ایزدی و امداد سرمدی بالفعل ان تدابیر میں مشغول ہیں۔ جیسے کہ چند انگریز جو کہیں باقی رہ گئے ہیں وہ بھی نیست و نابود ہو جاویں اور ہمارا یقین واثق ہے

کہ اگر اب انگریز مالک ہندوستان میں رہیں گے تو کل اس ملک کے آدمیوں کو مار ڈالیں گے اور ہمارے مذہبوں کو مٹا دیں گے۔ ہر چند بعض آدمی ہمارے ملک کے اب بھی انگریزوں سے موافقت رکھتے ہیں بلکہ ان کی طرف سے لڑنے بھڑتے ہیں۔ ان کے حال پر بخوبی غور کیا گیا تو یہی ظاہر ہوا ہے کہ انگریز نہ ان کا مذہب چھوڑیں گے اور نہ تم سب کا۔ پس اس صورت میں ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ تم نے اپنے ایمان اور جان کی سلامتی کے واسطے کیا تدبیر کی ہے۔ اگر ہماری اور تم سب کی رائے متفق ہو تو بہت آسانی سے انگریزوں کو غارت کر کے اپنے ملک اور ایمان کو بچا سکتے ہیں۔ چونکہ ہم سب کو ہندو اور مسلمانوں کی بہتری پیش نظر ہے اور انگریز دونوں فرقوں کے دشمن ہیں لہٰذا تمہارے مذہب کی حمایت کا پاس اور خیال کر کے اور بنظر اندفاع اعدائے دین بذریعہ اس فرمان مطبوعہ کے اعلان کیا جاتا ہے کہ اہل ہنود کو گنگا جی اور تلسی اور سالگرام کی قسم ہے اور مسلمانوں کو قرآن شریف کی قسم ہے کہ وہ بالاتفاق شامل ہو کر اپنی جان اور ایمان کی حفاظت کے واسطے انگریزوں کو یہاں سے نکال دیں۔

مہر بہادر شاہ

(نوٹ) اس کتاب کے جملہ حقوق بنام نیا کتاب گھر محفوظ ہیں،

قیمت

ایک روپیہ (۸/۳ ۵۷) پچیس ۲۵ نئے پیسے

خدا کی باتیں

حکومت برطانیہ نے ایک تقریر پر حضرت مولانا احمد سعید صاحب کے خلاف مقدمہ قائم کر کے ایک ماہ قید کی سزا دی چنانچہ حضرت مولانا ۳۰ جنوری ۱۹۴۱ء سے ۲۶ فروری تک اعظم گڈھ جیل میں حکومت کی غیر منصفانہ پابندیوں کا شکار رہے۔

احادیث قدسیہ کا ترجمہ

ابھی یہ کام اپنی ابتدائی منزل میں تھا کہ مبارکپور کا مقدمہ شروع ہو گیا۔ ۳۰ جنوری کو مولانا کے خلاف فیصلہ کر دیا گیا۔ اور مولانا جیل تشریف لے گئے لیکن مولانا نے اپنا کام جیل میں بھی جاری رکھا اور الحمدللہ اعظم گڈھ جیل میں احادیث قدسیہ کا یہ اردو ترجمہ پورا ہو گیا۔

کم و بیش تقریباً تو سنو احادیث کا یہ اردو ترجمہ ہے جو مولانا نے سلیس اور عام فہم اردو میں کیا ہے۔ بعض بعض مقامات پر احادیث کے مطالب کی توضیح بھی فرما دی ہے۔ اور احادیث قدسیہ کی تعریف بھی بیان کی ہے۔ تعریف یہ ہے کہ حدیث قدسی وہ حدیث ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو الہام یا خواب کے ذریعہ اطلاع دی ہو یا جبرئیلؑ کے واسطے سے اطلاع دی ہو۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنی عبارت اور اپنے الفاظ میں بیان کیا ہو۔ قیمت ۱۲ محصول ۱۵

رسولؐ کی باتیں

اس کتاب میں تقریباً بیس عنوان ہیں جس میں توحید رسالت، قرآن، قیامت، عالم برزخ، قبر کا عذاب، نکیر، منکر کی پوچھ گچھ، تقدیر، کتب آسمانی اور ملائکہ، علم کے فضائل طہارت کا صحیح طریقہ، مسواک کی شرعی اہمیت۔ غرض یہ ہے کہ ہر عنوان کے تحت میں اس کی مناسبت سے احادیث کو جمع کیا گیا ہے۔ جو حدیث جس جگہ سے لی گئی ہے اُس کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔ اور ساتھ ساتھ انکے راوی کا نام بھی درج کیا گیا ہے جنہوں نے رسول خداؐ سے اس حدیث کو

خود دیا سلامی دکھا بیٹھا۔ قضیہ کارتوس چھیڑ کر فوج کو برگشتہ کر دیا۔ یہ فوج ۱۰ مئی کو دلی آئی بہادر شاہ کو خواب غفلت سے چونکایا۔ مگر ضعیفی نے اور انگریز کے شکنجے نے پژمردہ بنا رکھا تھا مگر خاندانی شجاعت نے نئے سرے سے حرارت پیدا کر دی اور وہ سرپرستی کیلئے تیار ہو گیا مگر شہزادے کمزور نکلے۔ مرزا مغل مرزا خضر سلطان۔ مرزا قویش، مرزا جوان بخت میں تو کچھ سرگرمی عمل تھی۔ بقیہ کا طریقہ شکایت کا موقعہ دے رہا تھا۔ جنرل بخت خاں نے آتے ہی فوج کو ہاتھ میں لے لیا۔ بادشاہ نے لارڈ گورنر کا خطاب دیا مگر ارکان سلطنت حکیم احسن اللہ خاں مرزا الٰہی بخش و دیگر شہزادوں کی سازشیں انگریزوں کو کامیاب کرنے میں معاون ہوئیں۔ تسلط پر بادشاہ رنگون بھیج دیئے گئے۔ ہڈسن کے ہاتھوں شہزادے مرزا مغل مرزا خضر سلطان گولی کا نشانہ بنے۔

جنگ آزادی نے ہندوستان میں وسیع محاذ اختیار کر لیا تھا لکھنو پر مولوی احمد اللہ شاہ اور بیر جیس قدر کی وجہ سے کنٹرول اٹھ گیا تھا۔ کانپور پر نانا راؤ کا قبضہ تھا۔ رانی لکشمی جھانسی پر براج رہی تھی۔ بریلی نواب خان بہادر خاں کے قبضہ میں تھی۔ الہ آباد پر مولوی کفایت علی چھائے ہوئے تھے۔ بہت سے نواب اور چھوٹے چھوٹے راجے انکے ہمنوا تھے۔ دلی پر انگریزوں کا قبضہ ہونیکے بعد ہر جگہ غداروں نے ملکر محبان ملک اور حریت نوازوں کو ناکامیاب بنایا۔ آخری اجتماع مولوی احمد اللہ شاہ کے جھنڈے تلے ہوا۔ "محمدی" میں حکومت قائم ہوئی سکہ چلا مگر راجہ پوائین کے ہاتھوں دھوکہ سے احمد اللہ گولی کا نشانہ بنے۔[۵]

پھر تو تمام انقلابی رہنما منتشر ہو گئے۔ جو حکومت کے ہاتھ پڑ گئے وہ دار پر چڑھا دیئے گئے یا حبس دوام بہ عبور دریائے شور کی سزا کے سزاوار قرار دئے

۵ قیصر التواریخ و تاریخ شاہجہانپور۔

نقل کیا ہے۔ بچوں اور بچیوں کے لئے بھی اس قسم کی سہل اردو کی مذہبی کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے۔ رقیمت ایک روپیہ بارہ آنے مجلد۔ محصول ۱۴/ ر

اسلامی معاشرت

جب تک مسلمان صحیح طور پر اسلام کے پابند نہ ہونگے دنیا کے کسی شعبہ میں ترقی نہیں کر سکتے دینوی و دینیاوی طریقے کیلئے ضروری ہے کہ مسلمان اسلام کے احکامات پر سختی سے عمل کریں۔ اور اپنے عمل سے اسلام کا سچا نمونہ بنکر دنیا کے سامنے پیش ہوں۔ موجودہ مسلمانوں کی معاشرتی اصلاح کیلئے اس بات کی سخت ضرورت تھی کہ اسلامی زندگی پر کوئی کتاب مرتب کی جائے۔ چنانچہ اسکی طرف حضرت علامہ مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی نے توجہ کی اور اس کتاب کو مرتب کر کے ایک بہت بڑی کمی کو پورا کر دیا۔ اس کتاب کے متعلق صرف اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب ہر ہر قدم پر اپنے پڑھنے والوں کو شمع ہدایت کا کام دیگی۔ اگر آپ اسلامی زندگی دیکھنا اور اس کو اپنا نا چاہتے ہیں تو اس کتاب کا مطالعہ ضرور کریں جو قرآن و حدیث کی روشنی میں مرتب کی گئی ہے۔ قیمت مجلد عہ محصول ڈاک ۱۴/ ر

وفات النبیؐ

مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی فاضل دیوبند نے سانوں عربی کی بڑی بڑی کتابوں کا مطالعہ کرنیکے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر دل ہلا دینے والے صحیح واقعات کو جن کی تعداد تقریباً پچاس ہے سب کو بڑی کاوش اور پوری ذمہ داری کے ساتھ ایک جگہ جمع کیا ہے۔ آپ نے کفن پہنانے اور لحد میں جسم مبارک اتارنے والے صحابہ کا نام بھی دیدیا ہے اور ساتھ ہی لحد مبارک کا نقشہ بھی دیدیا گیا ہے تاکہ امت کا ہر ہر شخص زیارت کر کے اپنے ایمان کو تازہ رکھ سکے قیمت مجلد عہ محصول ۱۲/ ر

ملنے کا پتہ :۔ دینی بُک ڈپو۔ اُردو بازار۔ دہلی

ہماری کتابیں

جنّت کی کنجی 3/4/-	دوزخ کا کھٹکا 2/4/-	خدا کی باتیں 2/8/-	رسولؐ کی باتیں 1/12/-	مضامین احمد سعید 2/-/-
پہلی تقریر سیرت 1/12/-	دوسری تقریر سیرت 2/8/-	مشکل کُشا 2/4/-	رسول اللہؐ 1/4/-	ماہِ رمضان 1/8/-
صلوٰۃ وسلام -/12/-	شوکت آرا بیگم 2/-/-	پردہ کی باتیں 1/-/-	تقاریر احمد سعید 2/4/-	از بلا 1/-
عام فہم تفسیر سورۂ یونس 1/4/-	عام فہم تفسیر سورۂ کہف ومریم 1/8/-	عام فہم تفسیر سورۂ بنی اسرائیل 1/-/-	عام فہم تفسیر سورۂ انبیاء وحج 1/4/-	عام فہم تفسیر سورۂ یوسف 1/-/-
دین کی باتیں 3/12/-	تعلیم الدین 1/-/-	حیات المسلمین 1/-/-	اصلاح الرسوم 1/-/-	اعمال قرآنی مترجم 1/4/-
فاطمہؓ کا چاند 2/-/-	نماز کی باتیں 1/4/-	وفات النبیؐ 1/-/-	اسلام کی بہادر بیٹیاں -/8/-	قرآن کی باتیں 1/4/-
غدر کے چند علماء 1/4/-	علمائے حق 1/4/-	ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء 1/4/-	اسلامی معاشرت 1/4/-	سفرنامہ اسیر مالٹا 2/-/-
ہفت سورہ 1/8/-	مناجات مقبول خورد 1/4/-	صحابہ کی انقلابی جماعت 1/4/-	عام فہم تفسیر سورۂ اعراف 1/8/-	ایمان کی باتیں 1/12/-

ان کے علاوہ اور بہت سی کتابیں

ملنے کا پتہ } دینی بک ڈپو اردو بازار، دہلی

گئے نوابوں راجاؤں کی جائدادیں ضبط ہوئیں۔ دلی میں لکھنؤ میں کانپور میں انگریزی افسروں نے وہ وہ ظلم کئے جس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ بنارس الہ آباد میں نہایت بیرحمی اور سختی کا استعمال جنرل نیل اور کرنل رینارڈ نے کیا۔

لندن ٹائمس کے نامہ نگار رسل نے اس ظلم و جور کی بہت سی مثالیں دی ہیں۔ لفٹنٹ مجنڈی نے لکھا ہے:۔

"ایک زخمی سپاہی کے چہرے کو سنگین مار مار کر چھید اگیا اور پھر اسے معمولی آگ میں رکھکر بھونا گیا۔ جلتے ہوئے انسانی گوشت کی خوفناک بو سے دماغ پھٹا جاتا تھا۔ سخت قسم کا دھواں اُڑ رہا تھا اور یہ سب کچھ انیسویں صدی میں ہوا جب انگریز اپنے مہذب ہونے کا دعویٰ کر رہا تھا۔"

سر ہنری کاٹن لکھتا ہے:۔

"مجھے سویرے تھامپس نے نہایت ہی روح فرسا واقعات سنائے اور بتایا کہ قیدیوں پر کیا کیا مظالم ڈھائے جاتے تھے سنتریوں کے کمرے میں اس نے جو کچھ دیکھا اسکے الفاظ پڑھیئے: چند بدقسمت مسلمانوں کو رسیوں سے باندھ کر زمین پر لٹایا گیا۔ انکے کپڑے پھاڑ ڈالے گئے اور سر سے پیروں تک ہر حصے پر دہکتے ہوئے تانبے سے نشان لگائے گئے اور پھر انکے سروں میں گولیاں مار مار کر انہیں ہلاک کیا گیا۔

(انڈین ہوم میمورین) ایسے بہت سے واقعات گزرے۔"

یہ ظالمانہ واقعات انکے ساتھ کئے گئے جنہوں نے ملک کو آزاد کرانے اور اپنی اولاد کو بدیشی حکومت کی غلامی سے نجات دلانے کی پہلی کوشش کی تھی۔

مگر افسوس کا مقام ہے جنگ آزادی کے شرکا کا کوئی اب تک تفصیلی تذکرہ نہیں لکھا گیا۔ غدر کی تاریخیں انگریزی میں بہت سی لکھی گئیں مگر انمیں اپنی

مظلومیت اور ہندوستانیوں کی خونخواریت کے نقشہ دکھائے گئے ہندوستانی مورخوں نے ان سے بھی زیادہ خیر خواہی کا اظہار کیا۔ مفروضہ مظالم کی داستانیں اور بڑھا چڑھا کر لکھیں۔ انگریزوں کو معصوم اور ہندوستانیوں کو ظالم اور محبان وطن غدار۔ مفسد کے نام سے پکارے گئے۔ انپر جو مظالم ہوئے وہ حق بجانب ٹھیرائے گئے، مولوی ذکاءاللہ دہلوی اور پنڈت کنہیا لال کی تاریخ بغاوت ہند بین ثبوت ہے، اس سے بڑھکر ان حضرات کی کوتاہ نظری کیا ہوگی کہ حریت نوازوں کے حالات تو بڑی چیز ہے انکے نام تک کا ذکر کرنا گناہ سمجھا۔ اگر کسی کا نام بہ مجبوری کسی واقعہ میں آیا تو بری طرح سے لکھا۔ جیسا کہ ڈاکو اور چور کا نام لیا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا تاریخی حقائق کے بعد ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ ۵۷ء کی انقلابی تحریک کو زیادہ کامیاب بنانے اور ملک پر اپنے کو قربان کر دینے والے علمار ہی تھے۔

ان علمار میں جو صاحب درس و تصانیف تھے انکا ذکر البتہ علمائے ہند کے تذکروں میں معمولی طور سے آیا ہے مگر تذکرہ نویس انکے سیاسی کارناموں سے ناواقف تھا یا خود پردہ ڈالا گیا۔

آج ایک ایسے تذکرہ کے لکھنے کی سخت ضرورت تھی جس میں علمار کی مجاہدانہ سرگرمیاں اور ان کی سیاسی کارگزاری ہو اور انکے ہمنوا جو راجہ نواب و امرار تھے ان کی سیاسی مساعی کا بھی ذکر ہو۔ خدا کا شکر ہے میرے خاندانی کتب خانہ سے اس کی ترتیب میں بڑی مدد ملی۔

ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علمار

کے نام سے اس کتاب خونچکاں کو ملک و ملت کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

انتظام اللہ شہابی

حضرت مولانا سید احمد اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ

مولانا سید احمد علی عرف ضیاء الدین خطاب دلاور جنگ معروف و مشہور مولوی سید احمد اللہ شاہ مدراسی[1] جلال الدین عادل کے پوتے اور ابو الحسن تاناشاہ والیٔ گولکنڈہ کے پڑپوتے تھے۔ جلال الدین اپنے زمانے کے قطب الوقت تھے۔ اس خاندان میں امارت کے ساتھ فقر بھی تھا۔ مولانا کے والد محمد علی مصاحب ٹیپو سلطان اور نواب چینا پٹن (مدراس) کے تھے۔ تقریباً ۱۲۰۴ھ میں پیدا ہوئے۔ امیرانہ طور و طریق پر تعلیم و تربیت ہوئی۔ شہسواری فنون سپہ گری علوم رسمیہ کے ساتھ ساتھ سکھائے گئے۔

جو مکتب سے اُن کو فراغت ملی بڑھا سوئے شمشیر شوقِ دلی

کم عمری میں فراغت علمی کی مگر ہوش سنبھالتے ہی ارد گرد ٹیپو سلطان کی تباہی کی داستانیں زبان زد تھیں جن کے ہاتھوں خداداد حکومت کی بربادی ہوئی تھی ان سے بچہ بچہ خائف تھا۔ وابستگان دولتِ خداداد میں کا ہر ایک فرد خانماں برباد تھا۔ ۱۱۹۹ھ میں سلطان شہید ہوئے تھے۔ ۱۲۴۰ھ تک

---

[1] تذکرہ علماء از مولوی اکرام اللہ گریاموی (قلمی)

علاقۂ مدراس کے مسلمان تباہی کے کنارے لگ گئے تھے۔ جائدادیں ان کی ضبط ہوئیں جو لوگ فوج میں تھے وہ دربدر بال بچوں کو لئے ہوئے بھیک مانگ رہے تھے کوئی پرسانِ حال نہ تھا۔ یہ حالات مولانا سید احمد علی کے سامنے تھے انکی عمر سولہ یا سترہ سال کی ہونے آئی کہ طبیعت امارت سے بیزار سی ہوگئی اور آپ نے نوابی سے کنارہ کشی اختیار کی۔

بڑھا جب قدم سولھویں سال کی چھٹا سلسلہ ملک سے مال سے
گدا ہوگئے سیم و زر چھٹ گیا ملا دشت غربت جو گھر چھٹ گیا[۱]

مولانا نے سیاحت پر کمر باندھی۔ اولاً حیدرآباد گئے۔

کہ گھر سے سفر کرکے وہ نامور ہوئے حیدرآباد میں جلوہ گر

یہاں نظام کے قلمرو پر مرہٹوں کا حملہ تھا آپ نے نظامی فوج کی حمایت میں مرہٹوں سے دو دو ہاتھ کئے ایسی دادِ شجاعت دی کہ مقتولین کی لاشوں کے پشتے لگ گئے۔ آخرش مرہٹوں نے شکست پائی۔

یہ اخبار اک داستاں ہوگئی سخن تکیۂ ہر زباں ہوگئی
ہوا شہرہ ویران د آباد میں گئی یہ خبر حیدرآباد میں
مقرر وہاں انکی نسبت ہوئی بہم تانہ کہنہ قرابت ہوئی
نہ لایا مگر نخلِ امید بار نہ باغِ تمنا میں آئی بہار

غرضکہ بیوی نے شاہ صاحب کو داغِ مفارقت دیا۔ آپ نے صبر و شکر کیا اور انکے انتقال کے بعد آپ اپنے وطن لوٹ آئے۔

کہ جب شاہزادے نے کھولی کمر کیا فسخ ناچار عزمِ سفر
رہے پر بہت دل شکستہ رہے برنگ دل غنچہ خستہ رہے

---

[۱] سوانح احمدی از مولانا فتح محمد تائب لکھنوی۔

رئیسانِ لندن نے پائی خبر — کہ ہے ایک شہزادہ عالی گہر
خردمند ہے چست و چالاک ہے — حقیقت میں ایک جوہر پاک ہے
رخِ پاک ضو بخش چشم قیاس — سرورِ دلِ والیٔ مندراس
کہا دل میں کیا خوب یہ بات ہو — جو حاکم سے اس کی ملاقات ہو
سو والا سرورِ نکتہ داں — کیا ایک معروضہ فوراً رواں
کہ یک چند شہزادۂ خوش سیر — کریں ملک لندن میں سیر و سفر
امیرانِ لندن سے آگاہ ہوں — چراغِ سرِ محفلِ شاہ ہوں
وہاں کے بھی دیکھیں یہ سب رنگ ڈھنگ — منور کریں چشم اہلِ فرنگ
سفر کے لیے ان کو رخصت ملی — پے سیر لندن اجازت ملی
ہوئے آپ خرم اس ارشاد سے — روانہ ہوئے حیدرآباد سے
خردمند انگریز ہمراہ تھا — خبرگیر حالِ بنِ شاہ تھا
ہوئے برطرف کاوش رنج و راہ — کیا شہر لندن کو آرام گاہ
گئے شاہِ لندن کے دربار میں — ہوئی عزت و جاہ سرکار میں
رئیسوں سے بھی ہوگئی رسم و راہ — بہم آنے جانے لگے گاہ گاہ
ہوئے اُن سے پھر آپ رخصت طلب — کیا روئے توسن بسوئے عرب
ہوئے گام فرسائے راہ حرم — زمیں جس کی ہے آسمانِ ارم
فراغت کی کوشش راہ سے — مشرف ہوئے کعبۃ اللہ سے
قدم مقتدر آستاں پر رکھا — سرِ عجز اس آستاں پر رکھا
ہوا دل کو ذوقِ سفر پھر قبول — پے اقتباس حضورِ رسول
چلے سر کے بل جاں نثارِ نبی — ہوئے خاک بوسِ مزارِ نبی
جبینِ عقیدت دھری خاک پر — ہوئے بوسہ زن اس درِ پاک پر

ہر اک ملک میں پھر گذرتے رہے — زیارت بزرگوں کی کرتے رہے
سفر کرکے آباد ویراں میں وہ — فروکش ہوئے ملک ایراں میں وہ
نہ پرواہ تھی کچھ حشمت وجاہ کی — طلب تھی فقط اپنے اللہ کی

سفر غرضکہ یہاں سے رخصت ہوکر یورپ کا سفر اختیار کیا جیسا کہ اوپر بیان ہوا انگلستان میں شاہی مہمان رہے۔ وہاں سے مصر آئے عرب گئے حج سے مشرف ہوئے۔ ایران ہوکر چمن ہوتے ہوئے ہندوستان آئے۔ مسلمانوں کی عام حالت زبوں دیکھی ہر جگہ پٹے ہوئے مہرے نظر آئے۔ امراء سے لے ایک دو تک کی جڑ کھود رہا تھا عیش وعشرت میں مبتلا تھے۔ نصاریٰ کا غلبہ دن بدن بڑھ رہا تھا اپنے ہی لوگ ان کو سراہ رہے تھے یہ رنگ دیکھ کر دنیا سے بیزار سے ہو گئے۔ طبیعت خلوت نشینی کی طرف راغب ہوئی۔ آپ نے علاقہ بیکانیر کو پسند کیا اور سانبھر چلے گئے۔

چلہ کشی آپ نے چلہ کشی اختیار کی ترک حیوانات کیا۔ بارہ برس گذار کر جے پور چلے گئے میر قربان علی سے ملنا ہوا وہ شیخ طریقت تھے انکی صحبت سے فیوضات وبرکات حاصل کئے نام سید احمد علی کے بجائے سید احمد اللہ شاہ تجویز ہوا۔ میر صاحب کے فرمانے سے ٹونک گئے نواب وزیر الدولہ نے بڑی آؤ بھگت کی مگر جو مقصد پیش نظر تھا وہ وہاں پورا نہیں ہوا۔ وعظ و تذکیر کی مجلسیں جمیں اور دوسری طرف بعد نماز عصر محفل سماع ہوتی اس کا واقعہ مولانا فتح محمد تائب لکھنوی نے سوانح احمدی میں یوں لکھا ہے:۔

ہوئے ٹونک میں جب گھڑی جلوہ گر — لگے کرنے بعض اعتراض آپ پر
کہ ہے ساز سازو مزامیر سے — نہیں ڈرتے افعال تقصیر سے
دیئے آپ نے عارفانہ جواب — دلائل سے اُن پر ہوئے فتحیاب

ہماری مطبوعات

منگا کر ملاحظہ فرمائیے

- مضامین سعید احمد
- رسول کی باتیں
- خدا کی باتیں
- جنت کی کنجی
- دوزخ کا کھٹکا
- تقاریر
- رسول اللہ صلعم
- بچوں کی باتیں
- شوکت آرا بیگم
- مشکل کشا
- ماہ رمضان

- پہلی تقریر سیرت — ۱۲
- دوسری تقریر سیرت
- مترجم اعمال قرآنی مجلد
- سفرنامہ اسیر مالٹا
- غدر کے چند علماء
- حیات المسلمین

- مکمل و مدلل ہفت سورہ
- تفسیر سورہ یونس پارہ ۱۰ ایک روپیہ چار آنے
- ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء
- تفسیر سورہ یوسف ایک روپیہ
- مکمل تاریخ اسلام منظوم
- تفسیر سورہ بنی اسرائیل ایک روپیہ
- علماء حق اور اُن کی مظلومیت
- تفسیر سورہ انبیاء و حج ایک روپیہ چار آنے
- جدید بہشتی زیور — ۱۲
- تفسیر سورہ کہف و مریم ایک روپیہ بارہ آنے

- تفسیر سورہ اعراف
- اسلامی معاشرت
- ایمان کی باتیں — ۱۲
- نماز مترجم و دعائے مسنون
- صحابہ کرام کی انقلابی جماعت
- صلوٰۃ و سلام — ۱۲

- فاطمہ کا چاند
- نماز کی باتیں
- خدا کا آخری پیغام
- مناجات مقبول خورد
- وفات النبی
- قرآن کی باتیں
- دین کی باتیں — ۱۲
- اسلام کی بہادر بیٹیاں
- اصلاح الرسوم
- تعلیم الدین
- از بلا

ملنے کا پتہ

دینی بکڈپو اردو بازار دہلی

حسد تھا فروغ خداداد پر | کہا محبت سے کر کے قطع نظر
کہ بے امتحاں ہم تو قائل نہیں | کہا آپ سے کچھ یہ مشکل نہیں

ٹونک میں حضرت محراب شاہ قلندر کا شہرہ سُنا دل بے کیف ہوگیا چل کھڑے ہوئے گوالیار پہونچے۔

وہاں تھے بزرگ ایک محراب شاہ | ہر یک جن کا نقش قدم سجدہ گاہ

قلندر صاحب گوالیار کے ایک رئیس سردار ستولے کے یہاں پیادوں میں ملازم تھے، ان سے جاکر ملے انھوں نے دیکھتے ہی ارشاد فرمایا کہ میاں میں تو تمہارا عرصے سے منتظر ہوں اور جو امانت بزرگوں سے لئے ہوئے بیٹھا ہوں معلوم ہوا اس کی سپردگی کا وقت آگیا۔ بیعت تو کرتے ہو مگر جان کی بازی لگانی ہوگی سودا بڑا کٹھن ہے۔ آپ نے فرمایا حضرت جو مرشد کا حکم ہوگا اسکی بسر وچشم تعمیل ہوگی۔ قلندر صاحب نے گلے سے لگایا اور خلعت خلافت عطا فرمایا اور درود و وظائف کے ساتھ تلقین جہاد ضروری قرار دی فرمایا:۔

ہمیشہ ترا رُتبہ عالی رہے | سر خصم کو پائمالی رہے
مکدر رہے تجھ سے جو کینہ کرے | وہ خود کور ہو جو نظر بد کرے
کیا صاحب تیغ و تاج و نگیں | ہوا نقش امید کرسی نگیں
لیا ان سے پھر امتحانِ جہاد | کہ کھینچے نصاریٰ پہ تیغ عناد

دلّی

مرشد کی ہدایت پر دلّی آئے۔ ابو ظفر بہادر شاہ مغلیہ تخت حکومت پر جلوہ افروز تھے اکبر شاہ نے تمام عمر ایسٹ انڈیا کمپنی کے رحم وکرم پر بتادی تھی۔ یہ بھی اضافہ خوان کرم پر آس لگائے ہوئے بیٹھے تھے قلعہ معلیٰ کی چار دیواری میں حکمرانی تھی۔ غرض کہ نام نہاد کی بادشاہی تھی مگر مسلم قوم اس پر بھی مگن تھی ہر ایک ادنیٰ ہو یا اعلیٰ اپنی اپنی دلچسپیوں میں لگا ہوا تھا۔

شہزادے رنگ رلیوں میں مست تھے۔ بدکاری بڑھی ہوئی تھی۔ زمانہ کہاں سے کہاں لے جارہا تھا۔ اس طرف آنکھ اٹھا کے بھی کوئی دیکھنے والا نہ تھا۔ علماء و صوفیاء کو اپنے نام و نمود و تن آسانی اور شکم پروری سے فرصت نہ تھی۔ علماء سرکار کمپنی کے عہدوں پر ممتاز تھے۔ کوئی قاضی تھا کوئی مفتی کوئی صدر الصدور مدرسہ و خانقاہیں آباد۔ علوم عربیہ میں عقلیات کی گرم بازاری مگر حق بات کہتے ہوئے ڈرتے۔ محکمۂ قضاۃ[1] جس کے عہدے پر مفتی مولوی انعام اللہ خاں بہادر گوپاموی فائز تھے وہ اکبر شاہ ثانی کے عہد میں ہی توڑا جا چکا تھا۔ مفتی صاحب کو سرکاری وکیل بنا کر تر لقمہ دے دیا گیا تھا اس محکمۂ قضاۃ کی بجائے صدر نظامت الہ آباد میں قائم ہوا اس سے ہی منسلک مفتی صاحب کئے گئے غرض کہ بڑے بڑے عالم و مفتی دلی میں تھے کسی نے احتجاج تک نہ کیا اور نہ کسی قسم کی آواز بلند کی۔ بلکہ اس مداخلت فی الدین کو بلا اکراہ دیکھا گئے۔ جو حکومت کمپنی نے عہدے علماء کو دے رکھے تھے اس پر شکر و امتنان کے ساتھ زندگی گذار رہے تھے۔ مولوی احمد اللہ شاہ نے دلی کا یہ رنگ دیکھا دنگ رہ گئے باوجودیکہ علماء کے سوائے بڑے بڑے شیوخ طریقت رشد و ہدایت کی محفل جمائے بیٹھے تھے حضرت غلام نصیر الدین عرف کالے صاحب[2] خواجہ محمد نصیر۔ شاہ جلال۔ شاہ توکل حسین شاہ۔ فدا علی شاہ۔ ابو سعید شاہ۔ محمد آفاق جیسے حضرات مجاہدہ و ریاضت میں ایک سے ایک بڑھا ہوا تھا۔ شاہ صاحب ہر ایک سے ملے جلے تبادلہ خیالات کئے مگر کوئی ان کی ہمنوائی کو تیار نہ ہوا اُن سے ناامید ہوئے تو علماء کرام مولانا رشید الدین خاں۔ مولوی کریم اللہ۔ مولوی مخصوص اللہ۔ مولوی قطب الدین خاں۔ مولوی عبد الخالق۔

---

[1] تاریخ مفتیان گوپامؤ صفحہ ۳۰۔ [2] آثار الصنادید۔

مولوی سید محبوب علی۔ مولوی نصیرالدین شافعی۔ مولانا محمد نورالحسن۔ مولوی کرامت علی۔ مولوی مملوک علی نانوتوی۔ سراج العلماء مفتی سید رحمت علی خاں بہادر اخون شیر محمد خاں۔ مولوی سید امت علی۔ مولوی محمد جان[۱] ہر ایک درس و تدریس و تصنیف و تالیف میں لگا ہوا۔ مولوی احمد اللہ شاہ ہر ایک بزرگ سے ملے۔ وقت کی نزاکت کا احساس دلایا اور انکے سامنے روئے دھوئے مگر انکی فغاں او ربکا پر کسی نے کان تک نہ دھرے۔ حضرت مفتی صدرالدین آزردہ نے کچھ کچھ آمادگی کا اظہار کیا اور مشورہ دیا کہ آگرے جاکر اصلاحی تحریک کو کامیاب بنایا جائے۔

وہاں سے غرض شاد و ناشاد آپ ہوئے داخل اکبر آباد آپ

اکبر آباد

صدر نظامت الہ آباد سے آگرہ منتقل ہو چکا تھا اور اس کے وابستگان بھی آگرے آ گئے تھے اُن میں مفتی انعام اللہ خاں بہادر وکیل سرکار بھی تھے۔ شاہ صاحب مولانا آزردہ کا خط لائے تھے۔ مفتی صاحب نے شاہ صاحب کو اپنے یہاں ٹھیرایا اور خاطر و مدارات میں لگ گئے۔ مفتی صاحب کا مکان اہل علم کا مرکز بنا ہوا تھا[۲] مولوی کریم اللہ خاں بہادر صدر الصدور۔ مولانا قاسم دانا پوری۔ مولانا غلام امام شہید اٹھوی۔ مولوی امام بخش وکیل صدر مولوی حافظ ریاض الدین مفتی شہر۔ شیخ محمد شفیع اللہ الہ آبادی۔ مولوی منصب علی وکیل۔ مولوی عظیم الدین حسن۔ مولوی محمد باسط علی مولوی معین الدین۔ مولوی شیخ اعتقاد علی وکیل مرزا اسد علی بیگ وکیل سید باقر علی ناظم محکمہ دیوانی۔ مفتی عبد الوہاب گوپاموی۔ مفتی نور اللہ گوپاموی۔ مولوی

---

[۱] جناب احمیرو ادبیات ہند مطبوعہ مصطفائی پریس آگرہ + [۲] ص۲ داستان تاریخ اُردو از پروفیسر حامد حسن قادری۔

نورالحسن۔ سید رحمت علی۔ مولوی طفیل احمد منگلوری[1] جیسے حضرات کی ان کے یہاں نشست تھی ہر ایک نے شاہ صاحب کو آنکھوں پر جگہ دی۔ مولوی فیض احمد عثمانی بدایونی۔ ڈاکٹر وزیر خاں اکبرآبادی جیسے لوگ شاہ صاحب کے گرویدہ ہو گئے۔ قوالی کی محفلیں جمنے لگیں۔ ذکر و فکر کے حلقے قائم ہونے لگے۔ مریدین کا جمگھٹا بڑھنے لگا۔ مسلمان تو مسلمان ہنود بھی معتقد ہونے لگے۔ بابو بینی پرشاد الہ آبادی وکیل صدر آپ کا معتقد تھا۔

محفل سماع شاہ صاحب کے یہاں محفل سماع کا اہتمام خاص طور سے ہوتا تھا۔ مریدین پر توجہ ڈالی اور ادھر لوہے کے کڑھاؤں میں کوئلہ کے انگارے بھرے رہتے وہ مجلس میں پھیلا دیے جاتے اس پر مریدین لوٹتے آگ ان پر بالکل اثر نہ کرتی۔ میری پھوپی محترمہ عمدۃ النساء زوجہ خواجہ غلام غوث خاں بہادر ذوالقدر بیخبر الہ آبادی فرمایا کرتی تھیں کہ انکے چھوٹے بھائی ڈاکٹر الہام اللہ مرحوم پر شاہ صاحب کی توجہ تھی اور وہ انکے مرید تھے۔ وہ بھی شریک محفلِ سماع ہوتے اور دہکتے ہوئے کوئلوں پر مثل ماہی بے آب تڑپتے مگر جسم پر نشان تک نہ پڑتا۔ آپ کی شہرت اور مقبولیت عام ہو گئی تھی۔ ہر کہ و مہ شریک صحبت ہوتا تھا۔

وعظ وعظ آپ کے بے پناہ ہوا کرتے۔ ہزارہا ہندو مسلمان شریک ہوتے سننے والے بیقرار ہو ہو جاتے۔ ہر شخص قربان اور فدا ہونے کیلئے عہد کرتا۔ مولانا سید طفیل احمد صاحب علیگ نے اپنی کتاب "مسلمانوں کا روشن مستقبل" میں لکھا ہے "ان کی تقریروں میں ہزاروں آدمی ہندو مسلمان جمع ہو جاتے تھے چنانچہ آگرے کی تقریر میں دس دس ہزار آدمیوں کا مجمع ہوتا تھا انکی ہر دلعزیزی

---

[1] انشائے بیخبر صفحہ ۱۶ ... [2] انشائے بیخبر مطبوعہ مرتضائی پریس آگرہ۔

کی یہ حالت تھی کہ پولیس نے (ایک موقع پر مجسٹریٹ کے حکم پر) انھیں گرفتار کرنے سے انکار کر دیا تھا۔[1] یہ تو تقریر کی کیفیت تھی۔

مشق تیر و تفنگ ہفتے میں تیسرے روز بعد نماز عصر قلعہ اکبرآباد کے میدان میں تمام مریدین کو لیجا کر فن سپہ گری اور شہسواری کی مشق کرایا کرتے۔ خود بھی ایسا نشانہ لگاتے کہ جس کا جواب نہ تھا۔ تلوار کے ہاتھ ایسے بچے تلے ہوتے جس کی دھوم تھی۔ مریدین ثواب اور عبادت سمجھ کر یہ مشق کرتے۔ یہ مفتی انعام اللہ شہابی نے اپنی سواری کا گھوڑا اور بجلی سیف شاہ صاحب کو نذر کی۔

جلوس آپ کا جلوس جمعرات اور جمعہ کو با وقار اور نشان کے ساتھ نکلا کرتا پالکی میں خود بدولت سوار ہوتے اور آگے ڈنکا بجتا چلتا ہزارہا آدمی جلوس میں ہوتے جامع مسجد میں آپ کے زمانے میں جتنے آدمی جمع ہوگئے اُتنے دیکھنے میں نہیں آئے۔ ڈنکے کی وجہ سے عوام میں ڈنکا شاہ کر کے بھی مشہور تھے۔ آپ کی رجوعات سے مشائخ وقت مخالف ہو گئے۔ فرخ شاہ فرخ آبادی نے اپنا رنگ جما رکھا تھا ان کے یہاں عوام کی رجوعات کم ہونے لگی ان کے ساتھی ایک مدرس تھے ان ہر دو نے شاہ صاحب کی مخبری حکومت میں جا کر کر دی مگر نتیجہ الٹا نکلا۔

بہت چمکے مانند نجم سحر — مگر کیا ہو سرسبز خورشید پر
خجالت ہوئی بیخ نخل عناد — ہوئے کچھ مدارس شریک فساد
یہ کی حاکم شہر سے مخبری — کہ یہ شخص نہ رویش ہے ظاہری
حقیقت تو یہ ہے کہ شہزادہ ہے — پے جنگ سرکار آمادہ ہے

[1] مسلمانوں کا روشن مستقبل صفحہ ۸۰ بار چہارم۔

یہ فقرے حسد کے غضب ہو گئے گئی دور حضرت طلب ہو گئے
نظر کی نہ کچھ جاہ انگریز پر ہوئے رونق افروز اک میز پر
جو منظور حاکم تھی تعزیر سخت ہوئی سنگ کی طرح تقریر سخت
ہوا صورت اژدر سرخ و لال خدا دوست نے کی نگاہ جمال
نہیں میز انگریز کا شق ہوا یہ عبرت بڑھی رنگ رونق ہوا
کہا اس نے کیا میری تقصیر ہے کہ ساما ان ایذا یہ تحریر ہے
خوشی سے جہاں چاہیے جائیے سزا پائیں مفسد جو فرمائیے
کہا آپ نے تم سے مطلب نہیں کہ اللہ ہے احکم الحاکمین
نصیب آپ کو فتح یابی ہوئی جو حاسد تھے ان کی خرابی ہوئی
کہ موقوف وہ مدرسہ ہو گیا برا جس نے چاہا برا ہو گیا

ولسن گردی حضرت شاہ صاحب قصبات میں دورے کو تشریف لیجایا کرتے۔ کچھ عرصے کیلئے باہر گئے ہوئے تھے حکام نے ان عہدہ داران صدر پر جن میں بڑا حصہ علماء کا تھا رشوت کا مقدمہ چلایا اکثر لوگ شاہ صاحب کے مرید و مشیر اور ہمنوا تھے مسٹر ولسن جج مراد آباد سماعت مقدمہ کیلئے مقرر ہوا شاہ صاحب کو سفر میں اس واقعہ کی خبر لگی۔ آپ نے فرمایا یہ امتحان کی پہلی منزل ہے۔ گھبرانا نہ چاہئے کسی کا بال بیکا نہ ہو گا۔ چند دن کی (آزمائش) ہے استقلال اور پامردی کو کام میں لایا جائے۔ چنانچہ مقدمہ پیش ہونے پر جو گواہ آتے ملزمین کی مقدس صورتیں دیکھ کر تھرا جاتے جھوٹی گواہی دینے کی جرأت نہ ہوتی۔ مگر انتظاماً کچھ لوگوں کو سزا کی گئی۔ لوکل اخبار میں یہ خبر اس طرح شائع ہوئی "عمال صدر کا مقدمہ جو مراد آباد میں دائر تھا صاحب سشن جج کے محکمے میں اس ہنج سے فیصل ہوا۔ مولوی غلام جیلانی

وکیل صدر مولوی غلام امام شہید پیشکار و منشی سراج الدین پیشکار کے حق میں چار چار سال کی قید کا حکم ہوا اور منشی محمد قاسم صاحب دانا پوری مسل خواں تین سال اور مولوی بدالحسن مسل خواں اور مولوی آل حسن صاحب منصف صدر کو دو دو سال۔ اب ان صاحبوں کی اپیل صدر میں دائر ہوئی اور مسل مقدمہ مراد آباد سے صدر میں طلب ہوئی اللہ اپنے فضل وکرم سے سب صاحبوں کو بری کرے[1] دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ مولانا قاسم دانا پوری جن کا شمار اولیائے کرام میں ہے اور انکے ہزار ہا مرید صاحب ریاضت ومجاہدہ انکو رشوت سے متہم کیا جانا تعجب ہے۔ دوسرے صاحب مولانا غلام[2] امام شہید جو عاشق رسول کہلاتے ہیں اور انکے بھی ہزار ہا مرید آگرہ حیدر آباد مراد آباد میں تھے وہ بھی رشوت میں۔ یہ سب سیاست ملکی تھی ان علماء کو منتشر کرنا تھا کیونکہ جس مقصد کیلئے یہ اکٹھ رہے تھے اس بہانے سے اس میں رکاوٹ ڈالنا تھی غرض کہ حضرت احمد اللہ شاہ صاحب کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔ یہ سب حضرات بری ہوئے مسل مقدمہ داخل دفتر ہوئی۔ خان بہادر مفتی انعام اللہ بھی اس مقدمے کی زد سے نہ بچ سکے۔ اسعد الاخبار، ذی الحجہ ۱۲۶۶ھ میں تحریر ہے کہ "مولوی انعام اللہ صاحب وکیل صدر بعلت برآمد ہونے خطوط کے معطل ہوئے اور انکی نسبت حکم میعادی پندرہ یوم صادر ہوا۔"

یہ لطف کی بات ہے کہ خان بہادر صاحب کے داماد خواجہ غلام غوث بےخبر خان بہادر ذوالقدر لفٹنٹ گورنر صوبہ مغربی وشمالی کے میر منشی مگر ان کی بھی کوئی رعایت نہیں۔ حکومت کا منشا۔ کچھ اور ہی تھا اسلئے وہ بھی لب بند کئے تھے مگر

---

[1] اسعد الاخبار نمبر ۱۴۰ جلد اول، ۱۲ جمادی الاول ۱۲۶۶ھ مولوی قمر الدین خاں ایڈیٹر ۱۸۵۰ء
[2] مولانا غلام امام شہید کا ۱۲۹۴ھ میں انتقال ہوا (حیات شہید مطبوعہ مصطفائی پریس آگرہ)

مفتی صاحب پر بھی کوئی آنچ نہیں آئی۔ جب بحال کئے گئے تو انھوں نے استعفا دے دیا اور وکالت ترک کر کے نواب وزیر الدولہ کے پاس ٹونک چلے گئے اور مہتمم بندوبست ہو گئے مگر وہاں سے حضرت احمد اللہ شاہ کو امداد دیتے رہے۔

عظیم الشان تاریخی مناظرہ

۱۸۵۶ء میں حضرت شاہ صاحب آگرہ سے لکھنؤ جا چکے تھے کہ پادری فنڈر کے مناظرے کا واقعہ ہوا۔ ہندوستان پر کمپنی کا اقتدار کافی دوامی ہوتے ہی ان کے زیر اثر عیسائی مُعتاد ہندوستان آنے لگے ایک طرف انگریزی سے عیسویت پر اردو میں ترجمے شائع کئے۔ دوسری طرف مشنریوں نے اپنے مطبعے بھی قائم کئے۔ ایک مطبع مرزاپور میں تھا۔ ایک آگرہ سکندرے میں قائم کیا بلکہ اخبار بھی نکالتے تھے چنانچہ خطبات گارسان دتاسی میں ہے "مرزاپور سے خیر خواہ ہند نکلتا تھا"

۱؎ مفتی انعام اللہ ابن مفتی محمد اسحاق سہروردی ابن مفتی محمد ولی نبیرۂ اعلم العلماء ملا وجیہ الدین مؤلف ربع حصہ فتاویٰ عالمگیری ۱۱۸۰ھ میں پیدا ہوئے والد ماجد سے علوم عربی کی تحصیل کی بعد فراغت علمی لکھنؤ گئے عرصہ تک نظامت کی تمنا میں رہے۔ ناکامیابی پر وہاں سے مرشدآباد گئے پھر کلکتہ پہونچے۔ مشاعرہ کیا عمائد سے اس طرح تعلق ہو گیا سر ایڈورڈ کول برک سے رسم ہو گئی اس کالڑکا مسٹر شیبرا ان سے فارسی پڑھتا تھا۔ کول برک دلی کے رزیڈنٹ مقرر ہوئے تو مفتی صاحب اسکے ہمراہ دلی آئے اس نے اپنے محکمہ کا سررشتہ دار کر دیا۔ عرصے تک وہاں رہے رزیڈنٹ ولایت گئے محکمہ قضاۃ میں بعہدہ وکالت (مفتی) مقرر ہوئے جس زمانے میں صدر نظامت الہ آباد میں قائم ہوا محکمہ قضاۃ شکست ہو گیا آپ الہ آباد آئے اور محکمہ صدر میں وکیل مقرر ہوئے۔ صدر آگرہ آیا تو آپ بھی اسکے ہمراہ آگرہ آئے ۲۱ ذی الحجہ ۱۲۷۵ھ کو وصال ہوا درگاہ ابوالعلا میں دفن ہوئے۔ (تاریخ مفتیان گوپامئو صفحہ ۳۹)

یہ امریکی پروٹسٹنٹ مشنریوں کا اخبار ہے اور اس کا مقصد تبلیغ مذہب ہے [۱] دوسری جگہ گارساں دتاسی لکھتا ہے :-

"رومن کیتھولک نقطۂ نظر سے سردھنہ سے مذہبی عقائد کے سوال و جواب کی کتاب بھی چھپتی ہے۔ یہ آگرے والی کتاب سے زیادہ مفصل ہے یہاں پر مشنریوں نے مطبع قائم کر رکھا ہے۔

عیسائی اولیا کے تذکرے اور مذہبی کتابیں فارسی و دیوناگری حروف میں چھپتی ہیں [۲]

پروٹسٹنٹوں کی مذہبی مطبوعات بلاشبہ بہت زیادہ ہیں اور انکی اشاعت سے اہلِ ہند میں رفتہ رفتہ عیسائی خیالات کی اشاعت ہوتی جاتی ہے"

ایک طرف عیسوی لٹریچر شائع کیا جا رہا تھا دوسری طرف مبلغ عیسائیت کی تبلیغ کر رہے تھے۔ ان کا تبلیغی طریقہ دلخراش تھا وہ بلا دشنام طرازی کے کسی مذہب کے بانی وداعی کا ذکر ہی نہیں کرتے تھے۔ اسلام پر تو ایسے رکیک حملے کئے جس سے عوام کے جذبات میں بے حد جوش پیدا ہو چلا تھا۔ چنانچہ ۱۸۵۴ء میں فنڈر نامی پادری یورپ سے ہندوستان پہونچا جسے عربی اور فارسی اور اسلامی علوم میں باضابطہ مہارت تھی۔ اُس نے اسلام پر اعتراض کا ایک لامتناہی سلسلہ چھیڑ دیا تھا۔ ہندوستانی مسلمانوں کو عیسائیت اور عیسائی مذہب سے دور کا بھی تعلق نہ تھا عام علماء بھی اس مذہب کی تفصیلات سے ناواقف تھے اور انھوں نے کبھی توجہ بھی نہ کی تھی البتہ بعض مسلمان محققوں نے دین عیسوی پر کافی مطالعہ کر رکھا تھا۔ بہار کے ایک

[۱] گارساں دتاسی صفحہ ۴۳ ۔ [۲] گارساں دتاسی صفحہ ۳۶ ۔

ڈاکٹر وزیر خاں نامی جو مرشد آباد ایک عرصے تک رہے پھر یورپ ڈاکٹری کی تکمیل کیلئے گئے ایک طرف ڈاکٹری فن میں بڑی ڈگری لی اور دوسری طرف ذاتی سعی و کاوش سے یونانی اور عبرانی زبانوں میں معقول ورک حاصل کیا مذہب عیسوی پر جسقدر کتابیں شروح و تفاسیر حاصل کر سکتے تھے وہ کبیں اور ان کا مطالعہ کیا اور ساتھ ہی ہندوستان لیتے آئے۔ ان کا تقرر گورنمنٹ نے آگرے میں کر دیا۔ محلہ کا غذیان تاج گنج میں رہتے تھے۔ پادری فنڈر نارکو رنے ہندوستان میں چند جگہ علماء سے گفتگو بھی کی مگر وہ جواب نہ دے سکے تو آگرے آیا۔ یہاں اس وقت صدر نظامت کی وجہ سے علماء کا بڑا مجمع تھا۔

ڈاکٹر وزیر خاں اور مولوی رحمت اللہ کیرانوی سے بڑے تعلقات تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے پادری کی آمد کے بعد کیرانہ سے مولانا کو بلوا بھیجا۔ آگرہ آئے اور چھلی اینٹ مقیم ہو گئے۔

حکام صدر نے یہاں مناظرے کا بڑا انتظام کیا ماہ رجب ۱۲۷۰ھ میں یہ مناظرے کی مجلس منعقد ہوئی جس میں ہندوستان سے بھی بڑے بڑے عالم آئے تھے اور امراء بھی شریک ہوئے تھے۔ مسٹر اسمتھ حاکم صدر مسٹر کرسٹن سکریٹری ریونیو بورڈ مسٹر ولیم حاکم علاقہ فوجی مسٹر لیڈلی مترجم اول برٹش گورنمنٹ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ عیسائیوں کی طرف سے فنڈر مناظر اول و قلیس فرنچ مناظر دوم اور اہل اسلام کی طرف سے مولوی رحمت اللہ مناظر اول اور ان کے ساتھی ڈاکٹر وزیر خاں تھے جلسہ کئی یوم رہا۔ ہزارہا ہندو مسلمان تماش بینوں کی حیثیت سے مناظرے میں شریک ہوتے تھے پہلا مسئلہ جس پر بحث ہوئی وہ انجیل و توریت کی تحریف کا تھا بحث و تمحیص کے بعد علانیہ سب کے سامنے پادری فنڈر کو اعلان کرنا پڑا کہ ہماری کتابیں

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ
حرف آہنگ	۵
مولانا احمد اللہ شاہ	۱۵
مجلس علماء کا قیام	
ولسن گردی	۲۴
عظیم الشان تاریخی مناظرہ	۲۶
مہاراجہ نانا راؤ پیشوا	۳۱
پہلی جنگ آزادی	۳۴
تخت نشینی برجیس قدر	۳۵
معرکہ عالم باغ	۴۰
شاہجہانپور اور روداد ہنگامہ	۴۲
چند روزہ حکومت	۴۳
مولوی احمد اللہ شاہ کی نعش جلائی گئی	۴۴
علماء کا کارنامہ	۴۵
تذکرہ:- مولانا فضل حق خیرآبادی	۴۸
نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ دہلوی	۵۶
مفتی صدرالدین خاں آزردہ	۵۹
خان بہادر خان بریلوی	۶۲
سید اکبر زماں اکبرآبادی	۶۳
جنرل بخت خاں روہیلہ	۶۴
سید کرم علی اکبرآبادی	۶۷
مولوی فیض احمد عثمانی بدایونی، مولوی فیض الحق، الوری فیض اللہ دہلوی	۶۸
سید گلزار علی امروہوی	۶۸
ڈاکٹر وزیر خاں اکبرآبادی	۷۱
نواب علی بہادر خاں باندہ	۷۲
رانی لکشمی بائی جھانسی و تانتیا ٹوپی	۷۳
نواب تفضل حسین خاں فرخ آبادی	۷۷
جنرل نیاز محمد خاں	۸۱
مولانا امام بخش صہبائی شہید	۸۱
مولانا شاہ نیاز احمد شہید سہسوانی	۸۵
مولوی رضی اللہ بدایونی	۸۵
مفتی عنایت احمد کاکوروی	۸۶
نواب ولی داد خاں مالاگڑھ	۸۷
میر نواب	۸۹
حکیم محمد حسن خاں ذوالفقار الدولہ	۹۰
نائب کپتان میر نواب میر اشرف علی	۹۰
نواب شرف الدولہ	۹۰
آغا مرزا مخمل پوش	۹۸
کاظم علی خاں کنبوہ فیض آبادی	۹۸
حشمت علی سندیلوی	۹۸
عباس مرزا	۹۹
معین الدولہ	۱۰۰
منشی رسول بخش کاکوروی	۱۰۰

(انجیل و تورات) محرف ہو چکی ہیں لیکن صرف مسئلہ تثلیث میں تحریف نہیں ہوئی ہے۔ لوگوں کو حیرت ہوئی کہ جس کتاب کو خود مشکوک مان رہا ہے اس پر ایمان لانے کے کیا معنی ہو سکتے ہیں۔ الغرض فاش شکست کے ساتھ فنڈر کو مجلس سے اٹھنا پڑا اور آگرے سے چلتا ہوا۔ اس نے تبلیغ عیسویت پر میزان حق کتاب لکھی تھی۔ ایک طرف مباحثہ گرم دوسری طرف دولت کا لالچ اور سرکاری اعلیٰ عہدہ ملنے کی توقعات چنانچہ مولوی صفدر علی مولوی عماد الدین جیسے لوگ مرتد ہو گئے اور عیسویت قبول کر کے اسلام کے خلاف زہر اگلنے لگے تھے پادری عماد الدین نے تعلیم محمدی لکھی۔ غرض کہ سب سے بڑا فتنہ مسلمانوں کیلئے یہ اٹھا کہ ایک طرف حکومت ان کے ہاتھ سے لے لی گئی دوسری طرف مذہب پر بھی ہاتھ صاف کیا جا رہا تھا۔ عوام لالچ سے دن بدن عیسویت کی طرف مائل ہوتے جا رہے تھے۔ یہی چیز علماء کی بے چینی کا سب سے بڑا سبب ہوئی۔ اور شاہ احمد اللہ کی تحریک سے علماء دلچسپی لینے لگے کہ بغیر اس کے تغلیب نصرانیت سے چھٹکارا ممکن نہیں۔ فرانسیسی مشنریوں میں سے مسٹر جوزف بھی تھے یہ مفتی انعام اللہ خان بہادر کے احباب سے تھے۔ حضرت احمد اللہ شاہ کے فیض صحبت سے اسلام لائے اور یوسف علی شاہ نام رکھا گیا۔ ایک مسجد ان کے نام سے آج تک آگرے میں موجود ہے۔ خاندان صابریہ میں بیعت ہوئے۔

(نوٹ) ڈاکٹر وزیر خاں فتنہ عام قرطاس میں آگرے سے دہلی چلے گئے جنرل بخت خاں نے انکو آگرے کا لارڈ گورنر کر دیا تھا[1] ان کے معرکے بھی دہلی کے ہنگامے میں کارنامے کی صورت سے ہوتے تھے۔ ان کی ہمراہی میں مولوی فیض احمد عثمانی بدایونی تھے۔

(نوٹ) مولوی رحمت اللہ کیرانوی ابن نجیب اللہ انکے جد اعلیٰ شیخ (باقی اگلے صفحہ پر دیکھئے)

[1] غدر کی صبح و شام۔

"واقعۂ شہادت امیر علی شاہ" مولوی امیر علی شاہ کی شہادت کی خبر آگرے بھی پہونچی۔ حضرت احمد اللہ شاہ نے سن کر فرمایا اب وقت ہمارے کام کا آگیا۔ اولاً گوالیار گئے اپنے پیرو مرشد محراب شاہ قلندر سے ملے اور لکھنؤ کے سفر کی اجازت ملی۔

ہوئے شاد حضرت کے انعام سے | رہے تھوڑے دن عیش و آرام سے
سفر کی وہاں سے بھی رخصت ملی | پئے جنگ و پیکار اجازت ملی
جھکے کوشش و جستجو کی طرف | گئے بلدۂ لکھنؤ کی طرف

آپ آگرے سے روانہ ہونے لگے مریدین ہمراہ ہو گئے ایک جم غفیر ساتھ تھا

(بقیہ صفحہ ۲۹) عبدالرحمٰن عثمانی گازرانی سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ وارد ہند ہوئے۔ قصبہ پانی پت میں قیام کیا انکی اولاد سے مولوی رحمت اللہ ۱۲۳۳ھ میں پیدا ہوئے ابتدائی کتب وطن میں پڑھیں مولوی محمد احمد کے ہمراہ تحصیل علم کیلئے شاہجہاں آباد آئے اور علامہ مولوی حیات میں قیام کیا انکے والد راجہ ہندو راؤ میرٹھ کے میر منشی تھے۔ عمر زیادہ ہو چکی تھی وہ ۱۲۵۴ھ میں وطن چلے گئے۔ مولانا یہاں سے لکھنؤ گئے مفتی سعد اللہ سے تکمیل کی اور ازالۃ الاوہام کتاب لکھی دہلی لوٹے اور مولوی آل حسن سے ملے پھر کیرانہ وطن گئے پھر آگرے آئے مناظرہ پادری فنڈر میں شریک ہوئے ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں انکی گرفتاری کا اشتہار جاری ہوا۔ یہ مکہ معظمہ کو عازم ہوئے وہاں مستقل قیام کیا۔ ۱۲۸۴ھ میں قسطنطنیہ پادری فنڈر پہونچا۔ وہاں آپ بلائے گئے اسکو وہاں بھی شکست ہوئی۔ مولانا مکہ لوٹے اور مدرسہ صولتیہ قائم کیا انکو سلطان نے ۱۲۵ روپیہ ماہانہ دینا شروع کیا۔ مولوی رحمت اللہ حجاز جب ہجرت کر گئے تو ہندوستان میں حکومت نے انکی املاک پر قبضہ کیا اور اسپر ہل چلوادئے۔ بعمر ۷۵ سال ۲۲ رمضان ۱۳۰۸ھ میں مدینے میں وصال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔ مولوی امیر علی شاہ امیٹھوی ۱۰ فروری ۱۸۵۶ء میں شہید ہوئے۔

ہر ایک مرید نے توشہ ساتھ لے لیا تھا اور گھر بار کا معقول انتظام کر دیا تھا ماں نے بیٹوں کو اجازت دی تھی اور بیوی شوہر کو رخصت کر رہی تھی ہر ایک کا دل مگن تھا مرشد ساتھ ہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔

کانپور
کانپور پہونچے یہاں عظیم اللہ خاں سے ملاقات ہوئی یہ شخص انگریزی کا بڑا عالم تھا ماسٹر گنگا دین سے انگریزی تحصیل کی تھی مشن کالج کے ہیڈ ماسٹر رہے پھر کلکٹر کے کہنے سے نوکری ترک کر کے نانا راؤ پیشوا والی بٹھور کے سربراہ کار ہو گئے۔ نانا راؤ جس کا متبنّی تھا اسکو پنشن آٹھ لاکھ ملتی تھی وہ گورنمنٹ نے ضبط کر لی عظیم اللہ خاں نے کہا میں ولایت جا کر لارڈ ڈلہوزی سے تنخواہ واگذاشت کرالاؤنگا۔ چنانچہ ۱۸۵۴ء میں عظیم اللہ خاں اور نانا راؤ کا بھائی بالا صاحب اور علی محمد خاں المعروف جیمی گرین بریلوی جو نوابان روہیلکھنڈ کی اولاد سے تھا اور انگریزی کا بڑا واقف کار

(نوٹ) علی محمد خاں بریلوی روہیل کھنڈ کے بڑے شریف خاندان نوابان سے تھے جسمیں نواب نجیب الدولہ نواب دوندے خاں جیسے لوگ گذرے۔ مدرسہ شعور پر انگریزی تعلیم دلوائی۔ بریلی کالج میں پڑھا اور انگریزی میں نام پیدا کیا پھر انجینئرنگ کالج روڑکی میں داخل ہو کر اول درجہ پاس کیا۔ مگر کمپنی نے ملازم جمعداری کے عہدے پر کیا جس سارجنٹ کے ماتحت تھے وہ ان سے وحشیانہ برتاؤ کرتا تھا یہ ملازمت چھوڑ کر وطن چلے گئے پھر کچھ عرصہ بعد نصیر الدین حیدر شاہ اودھ کی ملازمت کیلئے گئے لکھنؤ میں سنا مہاراجہ جنگ بہادر والی نیپال گورکھپور میں لکھنؤ کے خلاف تیاری کر رہا ہے اور انگلستان جانے کیلئے ایک انگریزی داں لائق سکرٹری چاہتا ہے یہ فوراً اسکے پاس گئے اس نے نوکر رکھ لیا مہاراجہ کے ہمراہ انگلینڈ گئے وہاں سے روما بھی جانا ہوا ہندوستان آ کر دو سے رجواڑوں میں نوکر رہے پھر عظیم اللہ خاں سے ملنا ہوا اسکے ساتھ رہے ہنگامہ ۱۸۵۷ء کی خبر سے بریلی کی پلٹن میں شامل ہو کر دلی آئے اور چیف انجینئر مقرر ہوئے پھر لکھنؤ آ کر حضرت محل کی فوج کے چیف انجینئر ہو گئے آخر شش اثنائے میں پکڑے گئے اور پھانسی پر لٹکا دئے گئے۔ مفصل حال سرگذشت محمد علی خاں بریلوی عرف جیمی گرین، مصنف تاریخ ۱۸۴۳ء صفحہ ۱۳۶ میں دیکھئے۔

اور عظیم اللہ کا ہم سبق تھا اس کو ساتھ لیا۔ تینوں انگلستان پہونچے ان کے ساتھ کافی رقم تھی حسب دل خواہ وکیل کئے گئے اور ناناراؤ کا حکم تھا کہ بصورت ضرورت مٹھی بھی گرم کردی جائے۔ آؤبھگت ان لوگوں کی خوب ہوئی مگر مطلب خاک نہ نکلا۔ پانچ لاکھ روپیہ خراب کرکے وہاں سے یہ وفد براہ قسطنطنیہ ہندوستان کو ۱۸۵۵ء میں روانہ ہوا۔ وفد قسطنطنیہ سے کریمیا گیا ۱۸ ارجون کو انگریزی فوج نے حملہ کیا تھا جس میں یہ شکست یاب ہوئے۔ یہ حال ان لوگوں کے سامنے گذرا میدان جنگ سے پھر قسطنطنیہ لوٹے وہاں کئی روسی افسر ملے وہ کہنے لگے اگر تم لوگ ہندوستان میں انگریز سے نبٹا کرو تو ہم ہر طرح مدد دیں گے اور تمہارا ملک آزاد ہوجائیگا۔ چنانچہ یہ ہندوستان آگئے اور ناناراؤ سے سب حال کہہ سنایا اس نے بھی ارادہ کرلیا کہ کسی نہ کسی طرح کمپنی کا راج سرزمین ہندوستان سے کھو دیا جائے [1]

لکھنؤ کی روانگی حضرت احمد اللہ شاہ صاحب کچھ عرصہ کانپور رہے یہاں سے اناؤ ہوکر لکھنؤ پہونچے گھاس کی منڈی میں قیام کیا۔ مولانا فضل حق خیرآبادی جو خالص سرکاری آدمی تھے ان دنوں صدرالصدور تھے کچھ دن ہوئے تھے کہ امیر علی شاہ کے خلاف فتوی مولوی عبدالرزاق فرنگی محلی کی تائید میں دے چکے تھے وہ آپ سے ملنے آئے۔ شاہ صاحب سے ایسی گفتگو ہوئی کہ گھر جاتے ہی صدرالصدوری سے استعفیٰ دے دیا اور الور چلے گئے۔ اور انگریزوں کے جتنے خیر خواہ تھے اتنے ہی دشمن ہوگئے لکھنؤ کے قیام میں ہر شخص شاہ صاحب کی خدمت میں آنے لگا امیر و غریب کی کوئی قید نہ رہی۔ عقیدت سے سب پیش آنے لگے۔

---

[1] روزنامچہ مسٹر مارٹین میچل (مصنف مارچ ۱۸۶۳ء سرگذشت محمد علی خاں بریلوی صفحہ ۱۳۶)

نصاری سے جو حکم پیکار تھا ہر اک شخص سے اس کا اظہار تھا

تحریک کو تقویت دینے کے لئے امیر علی شاہ کی شہادت کو تشویق جہاد کیلئے پیش کیا اور اپنے مریدین کو ساتھ لے کر فیض آباد پہونچے۔

کہ حضرت جو چیے میں داخل ہوئے سوئے فیض آباد مائل ہوئے

آپ نے فیض آباد میں جو تقریریں کیں اور واقعات شہادت حضرت امیر علی شاہ بیان کئے ہر فیض آبادی پر ایک مجاہدانہ رنگ آگیا اور ان میں فرنگیوں اور عمال کمپنی سے انتقام لینے کی آگ بھڑکنے لگی۔ آپ کے پاس ہزار ہا فدا کار جمع ہونے لگے اور ہر ایک اسلحہ سے آراستہ تھا اسکے ساتھ ہی انکو باضابطہ جنگی تربیت اور قواعد کی تعلیم دی جانے لگی یہ خبریں حکام تک پہونچیں انھوں نے کوتوال شہر کو آپ کے پاس بھیجا کہ قواعد اور اسلحہ بندی کیا معنی رکھتی ہے۔

پے قطع دست سوال عدو لیا میان سے خنجر گفتگو

کہا شوق ہے ہم کو ہتھیار سے نہیں عذر کچھ حکم سرکار سے

جو بوئے فساد اس سے پائی گئی اسی وقت پلٹن بلائی گئی

کہا دیکے نرمی سے پھر کچھ فریب کہ کب تم کو تلوار دیتی ہے زیب

فقیروں کو ہتھیار کیا چاہئے یہ بے فائدہ بار کیا چاہئے

نہ نکلا جو کچھ کام اس پیار سے ڈرانے لگے حکم سرکار سے

نہ مانو گے تو پھر سزا دینگے ہم مزا سرکشی کا چکھا دیں گے ہم

غرض کہ شاہ صاحب نے حکومت کی دھمکیوں کو خطرہ میں نہیں لاتے ہوئے پیری مریدی کا سلسلہ قائم کر دیا، اور مجاہدین کی تنظیم شروع کر دی۔ آخرش حاکم فیض آباد نے فوجی قوت سے آپ کو روکنا چاہا، رد و بدل میں ایسا طول کھینچا ہر دو طرف سے تلواریں کھنچ گئیں، شاہ صاحب نے ایک فوجی افسر کے دو دو ہاتھ ہوئے

ایک ہی وار میں وہ آرہا۔ مگر زخمی کرکے چھوڑ دیا۔ فوجی نرغہ اسقدر تھا کہ شاہ صاحب بھی زخمی ہوکر گر پڑے۔ معاونین یہ حال دیکھ کر پیچھے ہٹتے اور آگے بڑھتے اور مقابلہ کرنے کی تجویزیں سوچنے لگے مگر فوج کے سپاہیوں نے شاہ صاحب کو بیہوشی میں گرفتار کر لیا اور پالکی میں ڈال کر قید خانے کے گئے اور پابہ زنجیر کردیا۔ اور آپ کے ہمراہی بھی گرفتار کرلئے گئے۔

وہ شیر ژیاں پھنس گئے دام میں ہوئے قید اس فتنۂ عام میں

ہنگامہ ۱۸۵۷ء

اس واقعہ بالا کو چند ماہ گذرے تھے کہ میرٹھ سے ہنگامہ ۱۸۵۷ء کی خبر عام ہوئی اسکا اثر اہل فیض آباد نے بھی لیا۔ یہاں حکومت کمپنی سے نفرت تو پیدا تھی ہی موقعہ دیکھ کر امیر علی شاہ کے ساتھیوں نے اور احمد اللہ شاہ کے مریدوں نے شہر میں آگ لگادی۔ فوجیوں میں بغاوت پھیل چکی تھی ان کا پہلا حملہ جیل خانے پر ہوا تمام قیدی چھوڑ دیئے گئے اور شاہ صاحب کو قید فرنگ سے آزاد کرایا۔ ادھر مولوی سکندر شاہ فیض آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے علم جہاد بلند کیا عوام انکے ساتھ ہوگئے لفٹنٹ طامس صاحب نے فوج سے ان کا مقابلہ کیا۔ مولوی صاحب کے ساتھ بھی باضابطہ فوج تھی ہی چند توپ کے گولوں نے عوام کے چھکے چھڑا دئے آخرش مولوی سکندر شاہ کو پکڑ لیا اور قید خانے میں داخل کردئے گئے۔ مولوی احمد اللہ شاہ نے لکھنؤ کا رخ کیا تاکہ لکھنؤ پر اپنا قبضہ جماویں۔ چنانچہ لکھنؤ میں مولوی احمد سعید۔ سبط شاہ۔ غلام علی نے علم محمدی اٹھا رکھا تھا اور عوام میں عام بیچینی پیدا ہوگئی تھی مگر کرتا دھرتا کوئی نہ تھا۔ حضرت احمد اللہ شاہ کے پہونچتے ہی ہر ایک انکی خدمت میں حاضر ہونے لگا۔ اور تمام منتشر مجاہدین آپ کے پاس آ جمع ہوئے۔ سر ہنری لارنس چیف کمشنر لکھنؤ نے

حتی الوسع بغاوت کو رفع کرنا چاہا مگر سعی بے نتیجہ رہی۔

تخت نشینی مرزا برجیس قدر - جولائی ۱۸۵۷ء کو رسالدار سید برکات احمد اور راجہ لال سنگھ اور شہاب الدین وغیرہ نے شہزادہ مرزا برجیس قدر خلف واجد علی شاہ کو اودھ کا بادشاہ بنا کے تخت پر بٹھا دیا۔ مسند نشینی کے وقت جہانگیر بخش صوبیدار توپ خانہ فیض آباد نے ۲۱ ضرب توپ کی سلامی سر کی۔ شرف الدولہ محمد ابراہیم علی خاں کو خلعت وزارت عطا ہوا۔ جرنیلی کا خلعت حسام الدولہ کو ملا مگر کل و جز کے اختیارات ناصر الدولہ علی محمد خاں عرف ممو خاں کے ہاتھ میں تھے۔

برجیس قدر کی عمر تیرہ سال کی تھی ان کی والدہ حضرت محل جو ایک بہادر خاتون تھیں وہ ولیہ مقرر ہوئیں مگر اس تخت نشینی سے باشندے خوش نہ تھے تمام سنی امیر علی شاہ کے واقعۂ شہادت سے واجد علی شاہ اور ان کے خاندان کے افراد کے جانی دشمن اور بدخواہ تھے۔ انکو اس خاندان سے دلی نفرت تھی اور وہ یہ چاہتے تھے کہ اودھ کی حکومت پر سنی حکمراں ہو چنانچہ مولوی احمد اللہ شاہ اہل لکھنؤ کا نقشہ دیکھ کر خود داعیٔ حکومت ہو گئے ایک مورچہ قائم کیا اور نصف لکھنؤ پر اپنا تسلط جما یا جگہ جگہ اپنے تھانہ چوکی بٹھا دیے اور عمال مقرر کر دیے۔ یہ حال دیکھکر حضرت محل حاضر ہوئیں اور مرزا برجیس قدر کو آپ کے قدموں میں لا ڈالا اور عرض کی کہ آپ اس کے سرپرست رہیں اور جو حکم آپ دیں گے ہم لوگ تابعداری کیلئے حاضر ہیں مگر ممو خاں کو شاہ صاحب کا وجود ناگوار تھا اور وہ آپ کے اثرات اور فضل و کمال سے گھبرا رہا تھا اس کی تمام امیدوں پر آپ کے اقتدار سے پانی پڑ گیا تھا۔ مگر اپنی سعی میں کوتاہی نہیں کر رہا تھا۔ ممو خاں کو انگریزوں سے بھی دلی بغض تھا۔ واجد علی شاہ کی معزولی کا انتقام لینے کیلئے پوری شجاعت

اور مردانگی سے کام لے رہا تھا۔ انگریزی فوج کے مقابلے میں داد شجاعت دی مگر ساتھ ہی مالداروں اور جوہریوں سے روپیہ جبریہ کھینچ رہا تھا۔ بڑے بڑے ساہوکار پکڑوا بلواتا اور ان سے جبر سے فوج کی امداد کے نام سے روپیہ وصول کرتا۔ اس کی اس حرکت سے عوام میں انتشار تھا اور وہ لوٹ کر عہدہ داران کمپنی سے خفیہ ساز باز کر رہے تھے۔ ادھر مولوی احمد اللہ شاہ کا یہ عالم تھا کہ کسی فرد پر ظلم نہ ہونے پائے۔ اگر کوئی خوش دلی سے نذرانہ پیش کر دے تو مضائقہ نہ تھا۔ چنانچہ امیر اور دولت مند شاہ صاحب کے پاس کافی رقم بھیجتے تھے۔ غلہ وغیرہ کی مدد کرتے تھے۔ ممو خاں کے ظلم کے ستائے ہوئے لوگ جو تھے وہ آپ سے فریاد کرتے تو آپ انکی دلجوئی فرماتے اور ممو خاں سے رقم واپس کراتے یہی وجہ تھی کہ شاہ صاحب کا سکہ لکھنؤ پر بیٹھ رہا تھا سنی تمام آپ کے گرویدہ تھے۔ البتہ شیعہ خوش نہ تھے۔ مگر ظاہرا ساتھ تھے اور کمپنی کے بھی خیر خواہ بنے ہوئے تھے۔

مولانا عبدالحلیم شرر "گزشتہ لکھنؤ" میں لکھتے ہیں:۔

> "کارتوس کے جھگڑوں اور گورنمنٹ کی ضد نے ۱۸۵۷ء میں غدر پیدا کر دیا اور میرٹھ سے بنگالے تک ایسی آگ لگی کہ اپنے پرائے سب کے گھر جل اُٹھے اور ایسا فتنۂ عظیم پیدا ہوا کہ ہندوستان میں برٹش گورنمنٹ کی بنیادیں تنزلزل نظر آتی تھی جس طرح میرٹھ وغیرہ کے باغی سمٹ کے دہلی میں جمع ہوئے تھے اور ظفر کو ہندوستان کا شہنشاہ بنایا تھا ویسے ہی الٰہ آباد فیض آباد کے باغی بھی ۱۸۵۷ء میں جوش و خروش کے ساتھ لکھنؤ پہونچے ان کے آتے ہی یہاں کے بھی بہت سے بے فکرے اٹھ کھڑے ہوئے اور برجیس قدر کی بادشاہی قائم کر دی۔ تھوڑی سی انگریزی فوج اور یہاں کے تمام یورپین عہدہ دار ان

مملکت جو باغیوں کے ہاتھ سے جاں بر ہو سکے بیلی گارڈ میں قلعہ بند ہو گئے جس کے گرد باغیوں کے پہونچنے سے پہلے دمدمے بنالئے گئے تھے۔اور حفاظت و بسر کا کافی بند و بست کرلیا تھا۔

لکھنؤ میں انگریزوں کی باغی فوج کے علاوہ اودھ کے اکثر زمیندار و تعلقہ دار اور عہد شاہی کے برطرف شدہ سپاہی کثرت سے جمع تھے۔"

برجیس قدر کے ہمراہیوں میں کوئی ایسا فرد نہ تھا جو اصول جنگ سے واقف ہو۔اور تمام منتشر طاقتوں کو یکجا کر کے ایک باضابطہ فوج بنا سکے۔ بخلاف اس کے انگریز اپنی جان پر کھیل کر اپنی حفاظت کرتے سر ہتیلی پر لے کے حملہ آوروں کو روکتے تھے اور جدید اصول جنگ بخوبی واقف تھے۔لکھنؤ میں برجیس قدر کا زمانہ اور حضرت محل کی حکومت تھی۔برجیس قدر کے نام کا سکہ بھی جاری ہوا۔عہدہ دران سلطنت مقرر ہوئے۔ملک سے تحصیل وصول ہونے لگی اور صرف تفنن طبع کے طور پر محاصرے کی کارروائی بھی جاری تھی ہوگ حضرت محل کی مستعدی و نیک نفسی کی تعریف کرتے ہیں وہ سپاہیوں کی نہایت قدر کرتی اور ان کے کام اور حوصلے سے زیادہ انعام دیتی تھی۔مشیر اچھے نہ تھے اور سپاہی کام کے نہ تھے۔ہر شخص غرض کا بندہ تھا اور کوئی کسی کا کہنا نہ مانتا تھا۔انگریزی فوج کے باغی اس غرور میں تھے کہ یہ فقط ہمارے دم کا ظہور ہے۔اصلی حاکم ہم ہی ہیں اور جس کے سر پر جوتا رکھدیں وہی بادشاہ ہو جائے۔ مولوی احمد اللہ شاہ صاحب جو فیض آباد کے باغیوں کے ساتھ آئے تھے اور کئی معرکوں میں لڑ چکے تھے وہ الگ اپنا رعب جما رہے تھے بلکہ خود ہی اپنی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے۔برجیس قدر کے مقابل لکھنؤ ہی میں ان کا دربار الگ

قائم تھا اور دونوں درباروں میں پولیٹیکل اختلاف کے ساتھ شیعہ سنی کا جھگڑا اور تعصب بھی نمایاں ہونے لگا۔ غرض بادشاہ اور شاہ صاحب میں رقابت بڑھتی گئی آخر اس سال نومبر میں برجیس قدر کی تخت نشینی کو چھ ہی ساعت بیتنے ہوئے تھے کہ انگریزی فوج لکھنؤ پر تسلط حاصل کرنے کیلئے آ گئی۔ جس کے ساتھ پنجاب کے لوگ اور بھوٹان کے پہاڑی بھی تھے[1] اس جگہ جی ڈبلو فارسٹر کا بیان[2] بھی مولوی احمد اللہ شاہ کے متعلق دلچسپ اور تاریخ کی اہم کڑی کے اظہار پر مبنی ہے وہ لکھتا ہے:۔

"اس جگہ پر جن کو فیض آبادی مولوی کہا گیا ہے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ وہ عالم باعمل ہونے کی وجہ سے مولوی تھا۔ روحانی طاقت کی وجہ سے صوفی تھا اور جنگی مہارت کی وجہ سے وہ سپاہی اور سپہ سالار تھا۔ مولوی فیض آبادی احمد شاہ نام تھا۔ ظلم طبیعت میں نہ تھا۔ ہر انگریز اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے"

ان کے متعلق ایک مختصر نوٹ جو چارلس نال نے اپنی کتاب میں لکھا ہے وہ ایک حد تک ان کی خصوصیات اور سیرت کا اجمالی نقشہ پیش کرتا ہے۔

حلیہ ایک لمبا لاغر مگر مضبوط آدمی دُبلے جبڑے لمبے پتلے ہونٹ اونچا بانسہ بڑی بڑی آنکھیں تیغ نما ابرو لمبی ڈاڑھی سخت کالے بالوں کی زلفیں دونوں کاندھوں پر پڑی رہتی۔ اس حلیے کے بیان کے بعد لکھتا ہے:۔

"اودھ کے باغیوں کی تجاویز اور سازش کی تحقیقات کی گئی تو معلوم ہوا اس مولوی کو انگریزی حکام بحیثیت احمد شاہ فقیر اور صوفی عرصے سے جانتے تھے۔ شمالی مغربی صوبہ جات میں ظاہرا مذہبی تبلیغ کی

---

[1] گزشتہ لکھنؤ صفحہ: ۶۔ [2] ہسٹری دی انڈین میوٹنی جی ڈبلو فارسٹر۔

نواب احمد علی خاں دہلوی ۱۰۰
نواب عبدالرحمٰن خاں ۱۰۱
محمد علی خاں 〃
نواب اکبر خاں 〃
نواب منظفر الدولہ 〃
نواب میر خاں 〃
مرزا عبداللہ 〃
امیر مرزا ۱۰۲
حکیم عبدالحق 〃
قاضی فیض اللہ کشمیری 〃
نواب محمد حسین خاں 〃
عبدالصمد خاں 〃
دلدار علی خاں کپتان 〃
میاں حسن عسکری 〃
نواب احمد علی خاں فرخ نگری ۱۰۳
نواب مجو خاں مراد آبادی 〃
شہزادے محمد عظیم ۱۰۴

نواب ممو خاں ۱۰۵
میر محمد حسین خاں گورکھپوری ۱۰۶
لال بہادر خاں میواتی ۱۰۶
غلام فخر الدین ۱۰۹
کوتوال شرف الحق تھانیسری 〃
نواب زینت محل ۱۱۰
اعتماد الدولہ ۱۱۱
ضیاء الدولہ 〃
میر احمد حسین میکش دہلوی 〃
مولانا رشید احمد گنگوہی ۱۱۲
قاضی عنایت خاں ۱۱۳
مرزا عاشور بیگ ۱۱۴
راجہ تجمل حسین ۱۱۵
جنرل محمود خاں ۱۱۶
محمد شفیع بریلوی 〃
مولانا شاہ عبدالقادر لدھیانوی ۱۱۷

مولوی شاہ محمد حسین پٹنہ ۱۱۹
راجہ کنور سنگھ جگدیش پور 〃
راجہ بینی مادھو بخش ۱۲۰
راجہ ناہر بلب گڑھ 〃
کمانڈر ہیرا سنگھ 〃
سردار غوث محمد خاں 〃
قادر بخش صوبہ دار 〃
مہاراجہ دیبی سنگھ ۱۲۱
نواب علی گجرات 〃
تلا رام - مکند لال 〃
مولوی جلال الدین بنارسی 〃
سید حسین علی رسالدار بریلوی ۱۲۲
ملک باقر علی بلہوری 〃
امراؤ بہادر 〃
داروغہ شیخ محمد بخش ۱۲۳
بہادر شاہ کا آخری فرمان 〃

خاطر دورا کر چکے تھے لیکن فرنگیوں کیلئے یہ راز ہی رہا۔ اپنے سفر کے دوران میں ایک عرصے تک وہ آگرے میں مقیم رہے۔ حیرت انگیز اثر شہر کے مسلم باشندوں پر تھا۔ شہر کے مجسٹریٹ ان کی جملہ نقل و حرکت پر نظر رکھتے تھے۔ عرصے بعد یقین ہو گیا کہ وہ برطانوی حکومت کے خلاف ایک سازش کر رہے ہیں لیکن پھر بھی ان کو کسی باغیانہ جرم میں ملوث نہ پایا گیا۔ وہ آزاد رہے آخر کار جب بغاوت رونما ہوئی اور وہ فیض آباد کے فوجیوں میں بھی یہ لوگ پہونچے تو یہ مولوی جو سابقاً غیر منظم طریقے پر اپنے مریدین کو ابھار رہے تھے گارد کی نگرانی میں تھے ہنگامہ کرنے والوں نے انکو چھڑا کر اپنا سردار بنا لیا اس طرح مولوی صاحب ایک طاقتور فوج کے سپہ سالار بن گئے۔

گرچہ کچھ عرصے تک دوسرے باغی سرداروں کی طاقت بھی رہی لیکن اس شخص کا اثر باغیوں پر بھرپور تھا۔ چونکہ یہ قابل آدمی اور ظلم کے دھبے سے پاک تھا جو ناناصاحب کی انتقامی جوش کی خصوصیت تھی اس سے یہ بالکل پاک وصاف تھا اسلئے برطانیہ بھی ایک حد تک انکو اچھا اور قابل نفرت دل میں نہیں سمجھتی تھی۔

معرکہ لکھنؤ غرض کہ برجیس قدر اور شاہ صاحب کی کشمکش سے آٹھ ماہ گذر گئے لکھنؤ کے نزدیک انگریزی فوج آموجود ہوئی۔ ادھر دلی آگرہ کانپور وغیرہ کے ارباب سیاست اپنی ناکامیوں کے بعد لکھنؤ آ گئے۔

شاہزادہ فیروز شاہ[1]۔ جنرل بخت خاں، بہادر شاہ کے بھائی مرزا کوچک سلطان، مولوی لیاقت علی الہ آبادی، قاضی سرفراز علی جونپوری، امیر المجاہدین

[1] شہزادہ فیروز شاہ ابن ناظم بخت فرخ سیر شاہ دلی کے نواسے (باقی صفحہ ۴۰ پر ملاحظہ ہو)

یہ سب حضرات شاہ صاحب کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوئے۔ میر اکبر علی ساکن گنتور نے دو بٹالین سرہندی نوکر رکھ لئے اور نواب گنج کے ایک باغ میں مورچہ جما کر بیٹھ گئے اور حضرت احمد اللہ شاہ سے عرض کی حضور بھی گھاس کی منڈی سے یہاں آجائیں چنانچہ آپ بھی معہ ساتھیوں کے باغ میں آ بیٹھے۔

پہلا معرکہ شاہ صاحب نے جانبازوں کی جماعت سے عمارات سلطانی پر حملہ بول دیا۔ آپ کے پیر میں گولی بھی لگی مگر سرکاری فوج پر کامیاب ہوئے اُنکو اپنا مورچہ چھوڑنا پڑا۔ آخر رسد خانہ کی کوٹھی پر انھوں نے قبضہ کر لیا[1] اور ادھر مچھلی بھون میں سرنگ لگا کر اڑا دیا اس کا یہ اثر ہوا کہ لکھنؤ پر شاہ صاحب چھا گئے مگر ممو خاں کی بیوقوفی اور غرور نے تمام امیدوں کو خاک میں ملا دیا۔ بیلی گارڈ پر شاہ صاحب حملہ آور ہوئے۔ پھاٹک تک پہنچ گئے مگر ساتھیوں نے ہمت ہار دی اور ممو خاں کی کارفرمائی سے یہاں سے آپکو پسپا ہونا پڑا۔ ایسے کئی مقابلہ ہوتے رہے۔

آخری معرکہ عالم باغ ۱۹ رجب کو جرنل مارٹن نے مورچہ قائم کیا اس کے مقابل جنرل بخت خاں نے چکر اولی کوٹھی کی طرف

(بقیہ صفحہ ۳۹) بھتے حج کے لئے روانہ ہوئے حج سے واپس آکر اندور میں مقیم ہوئے۔ یہیں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی خبر لگی۔ گوالیار گئے۔ پھر دھولپور سے خزانہ لیا اور افغانیوں کو ساتھ لیکر آگرہ پر حملہ بولا۔ پھر میوات گئے۔ شیخ فضل علی رسالدار اور جنرل عبد الصمد خاں انکے شریک ہو گئے۔ لکھنؤ آکر احمد اللہ شاہ کے شریک ہوئے۔ مراد آباد۔ بریلی۔ شاہجہانپور میں معرکوں میں انگریزی طاقت سے مقابلہ کیا۔ آخرش بعد شہادت شاہ صاحب اٹاوہ جاپور۔ بیکانیر وغیرہ ہوکر حجاز پہنچ گئے۔ آخری ایام آرام سے گذارے ۱۸۹۵ء کے بعد انتقال ہوا۔ شہزادہ کا مفصل تذکرہ غدر کے چند باغی علماء میں ہے۔

[1] قیصر التواریخ حصہ دوم صفحہ ۲۱۳۔

مورچہ لگایا اور اپنے کیمپ سے اجریا میں بھی مورچہ قائم کیا جس کا انچارج یوسف خاں برادر ممو خاں کو کیا اور اشرف الدولہ غلام رضا رسد رسانی کے انتظام پر مقرر ہوئے چکراولی کوٹھی کے مورچہ کے انچارج حضرت شاہ صاحب خود تھے۔ سلطان پور سے جو فوج انگریزوں کی آئی اس سے نواب اشرف الدولہ سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ یہ نکڑ ہال پر اپنے ساتھیوں سمیت کھڑے تھے۔ توپ کا گولہ اشرف الدولہ کے ہاتھی پر جو لگا یہ گھبرا گئے اور اپنے گھر کا راستہ لیا ادھر محلات پر چند گولے برسے۔ بھگدڑ پڑ گئی۔ چکراولی کے مورچہ پر انگریزی فوج کا دباؤ پڑنے لگا۔ شاہ صاحب داد شجاعت دیتے رہے حضرت محل بھی ممو خاں کے ساتھ فوج کے لڑانے میں سرگرمی دکھا رہی تھی۔ شاہ صاحب نے اپنے مورچے کا رنگ بگڑتا دیکھا وہاں سے ہٹ کر سرائے معتمد الدولہ میں آکر ٹھیرے۔ آخری جنگ شاہ صاحب نے عیش باغ پہ ڈٹ کر کی۔ شہزادہ فیروز شاہ کو معہ تلنگوں کے پکے پل پر لگایا مگر نواب ممو خاں اور حضرت محل کی گھبراہٹ اور بے موقعہ میدان مصاف سے ہٹنے سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ حضرت محل برجیس قدر کو لے کر لکھنؤ سے نکل کھڑی ہوئیں۔ مولوی احمد اللہ شاہ لڑتے بھڑتے رہے آخرش شاہ صاحب اور شاہزادہ فیروز شاہ و جنرل بخت خاں اپنے ساتھیوں کو لے کر شاہجہاں پور روانہ ہوئے۔ سیتاپور ہو کر گوپامؤ پہونچے۔ میرے عزیز مولوی ابرار حسین فاروقی فاضل از ہر ایم اے (علیگ) گوپاموی اپنے والد[۱] کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ اس وقت قصبے میں نصیر الاسلام خاں[۲] ممتاز رئیس تھے۔ شاہ صاحب کی تشریف آوری پر علماء و رؤساء قصبہ نے شایان شان

---

[۱] مولانا محمد حسن مرحوم۔ [۲] نواب نصیر الاسلام نہایت ذی علم دانشمند اور فہیم تھے۔ عرصہ تک آخری شاہ اودھ کے دار الانشاء میں رہ چکے تھے۔

استقبال کیا اور کافی سے زیادہ مدارات کی مفتی نوراللہ اور مفتی عبدالوہاب آپ کے مرید خاص یہاں رہتے تھے۔ پھر یہاں سے عازم شاہجہانپور ہوئے ۳۱ مئی بروز اتوار شاہجہاں پور میں

شاہجہاں پور اور رُوداد ہنگامہ

ہنگامہ بپا ہوا۔ فرنگی گرجا میں نماز پڑھ رہے تھے کپتان معہ فوج کے آگئے۔ سپاہی ہٹ کر شہر پر حملہ کرنے چلے گئے۔ قلعہ پہونچ کر نواب قادر علی خاں کو ناظم شہر مقرر کیا اور سند نظامت نواب خان بہادر خاں نبیرۂ حافظ الملک حافظ رحمت خاں نواب بریلی سے حاصل کی اور ضلع کا انتظام اپنے ذمہ لیا۔ ایک سال تک یہ جنگ آزادی برپا رہی۔ اس دوران میں جنرل بخت مشہور سرغنہ اور تجمل حسین خاں رئیس فرخ آباد اور شاہزادہ فیروز شاہ و جنرل اسمٰعیل خاں فتحگڈھ سے پسپا ہو کر شاہجہاں پور آموجود ہوئے۔ نانا راؤ پیشوا بھی آگے ۲۸ اپریل کو بجھور یہ کے مقام پر نواب قادر علی خاں اور کمپنی کی سپاہ سے مقابلہ ہوا نواب موصوف کے کمانڈر نظام علی خاں شہیاز نگری تھے اس لڑائی میں معہ ساتھیوں کے کام آئے بقیہ فوج نے راہ فرار اختیار کی۔ شہر کی حفاظتی فوج مولوی احمد اللہ شاہ کے زیر کمان تھی انھوں نے فوج سرکاری کو آتے ہوئے دیکھ کر شہر کو خالی کر دیا اور دو تین روز بعد پلٹ کر شاہجہانپور پر دھاوا بولدیا اور انگریزی فوج جیل میں دھس بندی کر کے مورچہ زن ہوئی۔ شاہ صاحب نے بھی کوٹھی کو باغیوں کا مکان سمجھ کر پھونک دیا۔ ۳ مئی ۵۸ء سے ۹ مئی تک حملہ جاری رہا محصورین کی حالت نہایت نازک ہو رہی تھی کہ سرکالن کیمبل کو وقت پر اس کی خبر ہوگئی۔ اس نے ایک فوج گراں بسر کردگی بریگڈیر جان جونسن روانہ کر دی ۱۱ مئی ۵۸ء کو نیا گھاٹ پر شاہ صاحب نے روکنے کی کوشش کی مورچے پر جمے رہے

شاہ صاحب کی امداد پر فیروز شاہ اور حضرت محل معہ اپنی بقیہ فوج کے آ گئے ۱۵ رمئی ۱۸۵۸ء کو شاہ صاحب نے دھس پر سخت حملہ کیا مگر جونسن اپنی جگہ پر قائم رہا۔ ۱۸ رمئی ۱۸۵۸ء سر کالن کمبل بریلی سے فوج لیکر آ گیا۔ شاہ صاحب نے مناسب یہ سمجھا کہ ہمراہی خطرے میں پڑ جائیں گے۔ مقابل فوج معہ سامان حرب کے بہت زیادہ ہے اور یہاں جانبازبے سروسامان صرف شوق شہادت اور وطن پرستی دامنگیر۔ لہٰذا قصبہ محمدی تشریف لے گئے۔

چند روزہ ہندوستانی حکومت

محمدی پر شاہ صاحب نے قبضہ کیا۔ چاروں طرف دھس بندی کی اور اپنی حکومت پورے طور سے قائم کردی۔ وزیر جنگ جنرل بخت خاں کئے گئے۔ قاضی القضاۃ سرفراز علی جونپوری نانا راؤ پیشوا دیوان تھے۔ کونسل کے اراکین میں مولوی لیاقت علی الہ آبادی، ڈاکٹر وزیر خاں اکبرآبادی مولوی فیض احمد بدایونی شاہزادہ فیروز شاہ یا جبر شریک ہوئے۔ یہ خود تخت نشینی کے متمنی تھے اور اپنا حق سمجھتے تھے۔ مضروب ہوکے سکہ جاری ہوا۔

سکّہ

سکّہ زد بر ہفت کشور خادم محراب شاہ — حامی دینِ محمدؐ احمد اللہ بادشاہ[1]

چھ ماہ ابھی شاہ صاحب برسر اقتدار نہ ہوئے تھے سر کالن کمبل نے قصبہ محمدی پر حملہ کردیا خوب خوب مقابلہ رہا مگر شاہزادہ فیروز کی باطنی اختلاف سے شاہ صاحب کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور محمدی کو چھوڑنا پڑا۔ شاہ صاحب کے ہٹتے ہی ممو خاں معہ حضرت محل اور نانا راؤ و عظیم اللہ اور بخت خاں وغیرہ نیپال کی طرف چلتے ہوئے[2]۔ ۵ ارجون ۱۸۵۸ء کو شاہ صاحب پرگنہ پورئین میں

---

[1] قیصر التواریخ سید کمال الدین حیدر حسنی الحسینی جلد دوم صفحہ ۴۶۷۔ [2] تاریخ شاہجہانپور صفحہ ۱۳۹

راجہ بلدیو سنگھ کے کہنے سے نمودار ہوئے۔ تنہا ہتنی پر سوار تھے۔ راجہ پورئین کی گڈھی پر تشریف لے گئے مگر بلدیو سنگھ کے بھائی نے پھاٹک بند کر دیا اور گڈھی پر سے گولیوں کی بوچھار ایک ساتھ کر دی سینہ چھلنی ہوگیا راجہ بلدیو سنگھ نے سر مبارک جسم اطہر سے اتارا اور صاحب کلکٹر بہادر شاہجہاں پور کے سامنے پیش کیا جو عرصہ تک کوتوالی پر لٹکا رہا۔ نعش کو آگ میں پھونک دیا[1] اس پر سرکار برطانیہ نے پچاس ہزار روپے نقد راجہ پورئین کو عطا کیا۔ اور خلعت فاخرہ مرحمت ہوا[2] یہ واقعہ شہادت ۱۵ جون ۱۸۵۸ء مطابق ۲ ذیقعدہ ۱۲۷۴ھ کو پیش آیا۔ دریا پار محلہ جہاں آباد متصل احمد پور مسجد کے پہلو میں سر دفن کیا گیا۔ مولوی سید طفیل احمد (علیگ) منگلوری نے کتبہ تاریخ نصب کرا دیا ہے جرنیل ٹامسن جو ایک بہادر انگریز تھا اور ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں شریک تھا شاہ صاحب کی بابتہ لکھتا ہے کہ :-

"مولوی احمد اللہ بڑی لیاقت اور قابلیت رکھتا تھا وہ ایسا شجاع تھا کہ خوف اس کے نزدیک نہیں آتا تھا یہ عزم کا پکا اور ارادے کا مستقل تھا باغیوں میں اس سے بہتر کوئی سپاہی نہیں تھا۔ یہ فخر اسی کو حاصل ہے کہ اس نے دو مرتبہ سر کالن کمپل کو میدان جنگ میں ناکامیاب رکھا وہ بہ نسبت اور باغیوں کے خطاب شاہ کا زیادہ مستحق تھا۔ اگر محب وطن ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اپنے ملک کی آزادی کیلئے جو غلطی سے برباد ہو گئی ہو سازشیں کی جائیں اور لڑائیاں لڑی جائیں تو مولوی یقیناً اپنے ملک کا محب صادق تھا۔ اس نے کبھی تلوار کو مخفی اور سازشی قتل سے خون آلود نہیں کیا وہ بہادرانہ اور معززانہ طور پر

[1] تاریخ شاہجہاں پور صفحہ ۱۳۹۔ [2] صحیفہ زرین مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ۔

اُن سے معرکہ آراء ہوا جنھوں نے اسکا ملک چھین لیا تھا۔ دنیا کی ساری
قومیں اسکو تعظیم اور ادب کے ساتھ جو شجاعت و صداقت کیلئے لازمی تھیں
اور جن کا مولوی مستحق تھا اس کو یاد کریں گی ۔"

شاہ صاحب کے متعلق ایک شریف جرنیل کے مندرجہ بالا قیمتی الفاظ ہیں[1]

رفقاء امیر احمد ۔ شاہ آفاق ۔ قطب شہید ۔ رستم علی ۔ اسمٰعیل خاں ۔ غلام محمد خاں
کفایت اللہ تلہری ۔ فرقان علی ۔ محمد شاہ خاں شہیار ۔ سعد اللہ خاں
شہید ۔ نور احمد ۔ احمد یار خاں تحصیلدار ۔ نواب غلام قادر خاں (ڈبول) عبدالرؤف
خاں ۔ اکثر انڈمان بھیجدیے گئے کچھ کو دار نصیب ہوئی کچھ گوشہ گیر ہوگئے ۔

نہ شیشہ نہ مینا نہ ساقی رہا فقط شکوۂ بخت باقی رہا[2]

علماء کا کارنامہ شاہ صاحب کے واقعات کے ساتھ وہ علماء جنھوں
نے حکومت کمپنی سے عدم موالات کر رکھا تھا اور یہ لوگ
جنگ آزادی میں خود شریک ہوئے اپنے فتاوے سے تحریک کو گرمایا ۔ مولانا
فضل حق خیر آبادی ۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی مولانا محمد قاسم نانوتوی ۔ مولانا
محمد یعقوب نانوتوی ۔ مولانا رشید احمد گنگوہی نے تو اس تحریک میں عملی شرکت
کی ۔ ہنگامہ فرو ہو جانے کے بعد مولانا فضل حق خیر آبادی ۔ مولوی عنایت احمد
کاکوروی ۔ مولوی لیاقت علی الہ آبادی ۔ قاضی سرفراز علی جونپوری مولوی کریم اللہ
سید اکبر زماں اکبر آبادی ۔ منشی اسمٰعیل حسن منیر شکوہ آبادی ۔ مرزا ولایت حسین
ساکن باندہ وغیرہ کو بغاوت و شرکتِ ہنگامہ کے جرم میں حبس دوام بعبور دریائے
شور کی سزا ہوئی ۔ حضرت حاجی امداد اللہ مکہ ہجرت کر گئے ۔ دوسرے حضرات
کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ۔ ۱۸۶۳ء و ۱۸۶۴ء میں محمد جعفر تھانیسری

[1] تاریخ شاہجہانپور ۔ [2] تواریخ احمدی منظوم از مولانا فتح محمد تائب لکھنوی ۔

مولانا احمد اللہ عظیم آبادی۔ مولانا یحییٰ علی۔ مولانا عبدالرحیم وغیرہ پر حکومت ہند کے خلاف سازش کرنے اور مجاہدین سرحد کی خفیہ امداد کرنے کے جرم میں انبالہ کا مشہور مقدمہ سازش چلایا گیا ان کی جائدادیں ضبط کرلی گئیں۔ ان کو اول پھانسی پھر کچھ سوچ کر بعبور دریائے شور کی سزادی گئی۔ صادق پور (پٹنہ) کے مقامات مسکونہ اور ملازمین کی عمارتیں جوش انتقام میں کھود کر پھینکا دی گئیں اور ان کی جگہ میونسپلٹی کی عمارتیں بنادی گئیں۔ ۱۸۵۷ء کے بعد ذرا ذرا سے شبہے پر علماء کو قابلِ دار سمجھا گیا سر سید احمد خاں نے ایک طرف علی گڈھ میں ۱۸۷۵ء میں مدرستہ العلوم کی بنیاد ڈالی۔ دوسری طرف علماء کی کارگذاری پر مصلحت وقت سے پردہ ڈالا اور علماء پر جو پابندیاں تھیں ان سے انھیں نجات دلائی گئی بلکہ سب سے بڑا ان کا کارنامہ یہ ہے کہ علمائے کرام کے ہاتھ حکومت برطانیہ سے ملوادئے اور انکو سرکاری ملازمتوں میں منسلک کراکر خطاب شمس العلماء اور خان بہادری سے نوازنے کی سعی بلیغ فرمائی۔ مگر سب کچھ تھا پھر بھی سر پھرے مسلمان ہندوستان کی سیاست سے دلچسپی لیتے رہے۔ کانگریس ۱۸۸۵ء میں قائم ہوئی تو مولوی ہدایت الرسول اس میں شریک ہوئے۔ سید صاحب ان سے بگڑ بیٹھے اور ان کو قید فرنگ بھی بھگتنی پڑی مگر مولانا فضل حق کے شاگرد مولانا فیض الحسن سہارنپوری کے شاگرد رشید مولانا شبلی نعمانی نے علی گڈھ میں بیٹھ کر وفادارانہ سیاست کے خلاف آواز اُٹھائی اور مسلمانوں کو آزاد سیاست کی دعوت دی۔ مسلم گزٹ کے پُرمغز مدلّل اور پُرجوش مضامین تعلیم یافتہ طبقہ میں سیاسی بیداری کی روح پھونکنے میں ایک حدتک کامیاب رہے۔

مولانا محمد علی۔ مولانا شوکت علی۔ مولانا حسرت موہانی۔ مولانا ظفر علی خاں

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد۔ مولانا مفتی محمد کفایت اللہ۔ مولانا حسین احمد مدنی، مولانا احمد سعید وغیرہ مولانا شبلی کی سیاسی سرگرمی کے زندہ نمونہ ہیں۔ ہندوستان کی سیاست میں ان حضرات کا جو پایہ ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مولوی عبدالقادر لدھیانوی نے کانگریس میں شرکت کے بارے میں فتویٰ شائع کیا تھا اس میں بڑے بڑے اکابر علماء نے دستخط کئے مولانا لطف اللہ علی گڈھی کے بھی دستخط تھے۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی نے ۱۸۶۶ء میں عربیہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند میں قائم کیا جہاں کے تعلیم یافتہ علماء میں مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا حسین احمد مدنی۔ مولانا احمد سعید دہلوی، مفتی محمد کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہم مولانا حفظ الرحمٰن۔ مولانا محمد میاں وغیرہ کی خدمات روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ علی گڈھ اور دیوبند کے بعد علماء فرنگی محل میں سے مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی گراں قدر خدمات سیاسی کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح مسیح الملک حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری۔ مولانا محمد فاخر الہ آبادی مولانا عبدالماجد بدایونی، مولانا محمد سجاد بہاری، مولانا آزاد سبحانی وغیرہ نے جو کچھ سیاسی خدمات انجام دی ہیں وہ بھی ناقابل فراموش نہیں۔

تذکرہ علمائے جنگ آزادی

۱۸۵۷ء میں علماء نے جو سرگرمی عمل دکھائی تھی اور انکے ہمنوا نواب راجے امراء اور فوجی رسالدار و صوبیدار تھے جن کا کتاب ہذا میں اکثر و بیشتر ذکر آ ہی چکا ہے مگر انکے تفصیلی حالات تشنہ طلب ہیں اس لئے تذکرے زیر بحث انکے حالات سیاسی پر اور روشنی ڈالی جاتی ہے۔

مولانا فضل حق خیرآبادی

مولانا فضل حق ابن مولانا فضل امام خیرآبادی نبیرہ قاضی صدرالدین فاروقی ہرگامی۔ مولانا ۱۲۱۲ھ میں پیدا ہوئے۔

مولانا فضل امام دہلی میں صدرالصدور تھے ان سے ہی علوم عربیہ تحصیل کئے اور علوم عقلیات کی تکمیل کی اور حدیث کی سند شاہ عبدالقادر دہلوی سے لی۔ تیرہ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے درس و تدریس میں لگا دئے گئے کچھ عرصہ کے بعد ریذیڈنسی کے محکمے میں سررشتہ دار ہو گئے۔ پھر کمشنری میں بدل گئے۔ یہ زمانہ تھا کہ مولانا محمد اسمٰعیل شہید اور مولانا سید احمد شہید نے بدعات کے خلاف آواز اٹھائی۔ مولانا فضل حق اور حضرت شہید سے مناظرہ امتناع نظیر امکان نظیر وغیرہ شروع ہو گئے۔ ایک عرصہ تک یہ ہنگامہ آرائی رہی۔ سید صاحب اور اسمٰعیل شہید سکھوں کے مقابلے کیلئے سرحد تشریف لے گئے مولانا نے حکام کا طریقہ خلاف مرضی پایا مستعفی ہو گئے۔ نواب فیض محمد خاں رئیس جھجر کو جو معلوم ہوا اس نے پانسو روپے ماہوار مصارف کیلئے پیش کیا اور قدردانی کے ساتھ اپنے پاس بلایا۔ دہلی سے روانگی کے وقت ولی عہد سلطنت صاحب عالم مرزا ابوظفر نے اپنا ملبوس دوشالہ علامہ فضل حق کو اڑھایا اور بوقت رخصت آب دیدہ ہو کر کہا چونکہ آپ جانے کیلئے تیار ہیں۔ میرے لئے بجز اس کے کوئی چارہ نہیں کہ میں بھی اسکو منظور کرلوں مگر خدا علیم ہے کہ لفظ وداع دل سے زبان پر لانا دشوار ہے[1] علامہ ایک عرصے تک نواب جھجر کے پاس رہے۔ پھر مہاراجہ الور کے یہاں چلے گئے۔ یہاں سے سہارنپور گئے۔ پھر ٹونک میں

---

[1] پنج آہنگ از مرزا غالب۔

حرف آہنگ

مغلیہ حکومت کے کمزور ہوتے ہی ملک کا شیرازہ بکھرا اور ہندوستان جنگ کا آماج گاہ بن گیا۔ "کارل مارکس" نے اس عہد کا چند لفظوں میں یوں نقشہ کھینچا ہے :-

"ہندوستان میں انگریزی تسلط کیونکر قائم ہوا۔ مغلوں کے اقتدار اعلیٰ کو مغلوں کے صوبہ داروں نے اور صوبہ داروں کی قوت کو مرہٹوں نے مرہٹوں کی قوت کو افغانوں نے توڑا اور جبکہ یہ سب ایک دوسرے سے دست گریبان تھے انگریز کود پڑا اور سب کو مطیع بنانے کے قابل ہو گیا۔"

جنگ پلاسی کمپنی کو سازگار ہوئی تو کمپنی نے اپنی انوکھی تدبیروں سے ہندوستان پر پورا تسلط کرلیا۔ اور ملک کے معاشرہ میں ہی دخیل ہونے لگی۔ عمال ایسٹ انڈیا کمپنی نے بے حساب دولت لوٹنی شروع کردی۔ لارڈ میکالے نے ایک جگہ لکھا ہے کہ

"کمپنی اور اسکے ملازمین پر اب دولت کی بارش بافراط ہونے لگی۔ اسی لاکھ پونڈ کی رقم جو نقرئی سکہ کی صورت میں تھی دریا کے ذریعہ مرشد آباد سے فورٹ ولیم روانہ کی گئی۔ (اس رقم سے) ہر انگریز کے گھر میں تمول اور ثروت کے آثار نمایاں ہو گئے۔"

نواب وزیرالدولہ نے بلا لیا۔ آخر میں لکھنؤ چلے آئے۔ یہاں صدرالصدور کے عہدے پر سرفراز ہوگئے۔ مولانا ایک عرصہ تک رام پور میں نواب یوسف علی خاں کے اتالیق اور محکمہ نظامت اور پھر مرافعہ عدالتین پر مامور رہے۔ مولوی احمد اللہ شاہ کے ملنے کے بعد ۱۸۵۶ء میں الور چلے گئے۔

سیاسی زندگی مولانا فضل حق نے آنکھ کھولی اکبر شاہ ثانی کا عہد تھا۔ ابوظفر کی تخت نشینی سامنے ہوئی جو واقعات گذرے وہ سب آنکھوں سے دیکھتے ہوئے جیسا اوپر ذکر کیا گیا۔ خود بھی ایک عرصے تک انگریزی حکومت کے معزز عہدے دار تھے ہر بات کا پتہ رہتا تھا۔ ڈلہوزی کی پالیسی کو بروئے کار لانے کی سعی پیہم جاری تھی۔ یہ ضرور ہے ایسٹ انڈیا کمپنی کا تسلط کافی تھا مگر عمال حکومت ہندوستانی کلچر کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے تھے اسی طرح یہ ہوا کہ تبلیغ عیسویت کا ڈنکا بجنے لگا عیسوی مناد کی دریدہ دہنی کا شکار مقامی مذاہب ہو رہے تھے اسلام بھی لپیٹ میں تھا اور ڈاکٹر وزیر خاں اکبرآبادی اور پادری فنڈر کے مناظرے سے ان دنوں ہل چل سی مچ گئی تھی۔ عوام کو خیال ہونے لگا تھا، حکومت تو گئی ہے مگر دین و مذہب بھی ہاتھ صاف ہونے لگا رہی سہی اسلامی شان و شوکت اگر یہی حال رہا تو کچھ عرصے بعد جایا ہی چاہتی ہے۔ مولانا کی جوانی اور ادھیڑپن دہلی میں گزرا آخری عمر میں لکھنؤ گئے وہاں کی حالت دہلی سے بھی بدتر دیکھی مسلمان بادشاہ واجد علی شاہ نام نہاد تھا اس نے تو بالکل لٹیا ہی ڈبو دی مسجد سے ہنومان گڑھی شہید ہوئی مسلمان مجاہد بیراگیوں کے ہاتھوں خاک و خون میں ملائے گئے امیر علی شاہ کو خود اپنی فوج سے توپ دم کرایا۔ مجاہدین بھی سرکاری فوج کے ہاتھوں کشتہ کرائے گئے۔ واجد علی کو عیش و عشرت کی پڑی تھی ناموس اسلام

کی تباہی اور ذلت سے غرض ہی نہ تھی۔ مولانا نے اس کا اثر لیا اور شاہ صاحب کے مشورہ پر عمل کیا۔ آخر ش ۱۸۵۶ء میں واجد علی شاہ حکومت سے علیحدہ کردئے گئے الور میں مولانا راجہ کے پاس کچھ عرصہ رہے مگر دل بیچین تھا ملک کی عام حالت نے مجبور کیا کہ جان سپاری سے کام لیا جائے۔ ادھر ہنگامہ بپا ہوا دلّی سے خطوط راجاؤں کے نام بھی گئے۔ مولانا کو بھی علم ہوا[۱] راجہ سے گفتگو ہوئی مگر وہ رام نہ ہوا یہ تنہا چل دئے جس طرف سے گذرتے زمینداروں کو تلقین کرتے ہوئے چلتے غرض کہ ۱۶ اگست ۱۸۵۷ء کو دلّی پہونچے عام شورش کا سبب نواب اودھ کی معزولی بہادر شاہ کو نام نہاد خطاب شاہی سے محروم کرنے کے مشورہ۔ گو یہ ضرور تھا کہ دلّی اور اودھ کی بادشاہت چھن گئی تھی لیکن دلوں پر ابھی انکی ہی حکومت تھی۔ بادشاہ تمدنی اور معاشرتی زندگی کا مرکز تھا اور راجہ و پرجا میں ایک رشتہ تھا۔ کمپنی کے عمال کی بدعہدی خود غرضی اور بدنیتی نے فرنگیوں کو بالکل بے نقاب کردیا تھا۔ عوام اعراض کرنے لگے تھے تو خواص کا کیا عالم ہوگا۔ دیسی بدیسی کی کشمکش کی وہ بڑی زبردست ٹکر تھی جو بالکل فطری تھی اور آخر مئی ۱۸۵۷ء کو دل کا غبار آتش فشاں بن کر پھوٹ نکلا۔ اس عوام کی بیچینی کا اثر مولانا پر بھی پڑے بغیر نہ رہا۔ وہ ایک فلسفی دماغ رکھتے تھے وقت سے انھوں نے بھی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی دلّی آتے ہی قلعہ میں گئے۔ بہادر شاہ سے اگلی راہ و رسم تھی۔ بادشاہ انکو دیکھ کے بہت خوش ہوئے علامہ نے ایک اشرفی نذر کی۔[۲] موجودہ صورت حال کے متعلق بادشاہ سے گفتگو کی بادشاہ کی امنگیں ختم تھیں دوسرے شہزادوں کی لوٹ کھسوٹ اور تخت شاہی کی تمنائیں باہمی رقابت کا

---

[۱] مولانا فضل حق و عبدالحق از انتظام اللہ مطبوعہ ذوالقرنین پریس بدایوں۔

[۲] غدر کی صبح و شام صفحہ ۲۱۷ ::

میدان گرم کیئے ہوئے تھیں۔ مولانا عمائدین شہر سے ملے ان میں دو گروہ تھے ایک بادشاہ کا ہمنوا دوسرا حکومت کمپنی کا ہی خواہ۔ فوجوں کا جائزہ لیا ہنگامیوں کی حالت دیکھی ہر ایک طالب زر کا متمنی مگر ایک ہستی ایسی بھی تھی جو ایک مقصد کو لیئے ہوئے جان پر کھیل رہی تھی وہ سر گروہ مجاہدین کا تھا ان کے ہمنوا روہیلہ تھے۔ یہ لوگ جنرل بخت خاں سردار روہیلہ کی زیر کمان تھے۔ مولانا کی خبر سن کے جنرل بخت خاں ملنے آئے چنانچہ مولانا نے آخری تیر ترکش سے نکالا جمعہ کے روز جامع مسجد میں علماء کے سامنے تقریر کی اور استفتار پیش کیا مفتی صدر الدین خاں حریز ہوئے۔ مولوی عبد القادر قاضی فیض احمد بدایونی ڈاکٹر وزیر خاں اکبرآبادی مولوی سید مبارک شاہ رامپوری وغیرہ نے دستخط کر دئے مگر مفتی صاحب بالجبر کو بالجبر لکھ گئے۔ اس فتوے کے شائع ہوتے ہی ملک میں عام شورش بڑھ گئی۔ دلی میں نوے ہزار سپاہ جمع ہو گئی تھی[1] جنرل بخت خاں جس طرح مقابلہ کرنا چاہتا تھا مرزا مغل آڑے آتا تھا۔ مرزا الٰہی بخش نے بادشاہ سے سرکار میں معافی کا خط بھی بھجوایا کوئی شنوائی نہ ہوئی ادھر مرزا مغل نے فوج میں پھوٹ ڈال دی۔ جنرل بخت خاں سے لوگ بگڑ گئے آخر اس چپقلش کا نتیجہ یہ ہوا کہ کمپنی کی فوج دلی پر فتحیاب ہوئی اور اس کا اقتدار قائم ہو گیا مرزا مغل وغیرہ گولی کا نشانہ بنے بادشاہ قید کئے گئے۔ جنرل بخت اپنی فوج اور توپ خانہ کو نکال لے گئے، بادشاہ سے کہا آپ میرے ساتھ چلیئے مگر وہ زینت محل اور مرزا الٰہی بخش کے ہاتھ میں تھے۔ آخر جنرل نے لکھنؤ کا راستہ لیا۔ ڈاکٹر وزیر خاں مولوی فیض احمد وغیرہ سب لکھنؤ چلے آئے۔ مولانا وطن چلے گئے، متسلطہ حکومت برطانیہ نے باغیوں پر مقدمے دائر کئے۔ اس لپیٹ

[1] تاریخ ہندوستان از مولوی ذکاء اللہ دہلوی۔

ہیں مولانا بھی آئے۔ چنانچہ ۱۸۵۹ء میں سلطنت مغلیہ کی وفاداری یا فتوئی جہاد کی پاداش یا جرم بغاوت میں مولانا ماخوذ ہوکر سیتاپور سے لکھنؤ لائے گئے۔ مقدمہ چلا مولانا موصوف کے فیصلہ کیلئے جیوری بیٹھی ایک اسیسر نے واقعات سن کر بالکل چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔ وکیل سرکار کے مقابل خود مولانا بحث کرتے تھے بایں لطف یہ تھا کہ چند الزام اپنے اوپر خود قائم کرتے اور خود ہی مثل تارعنکبوت عقلی و قانونی سے توڑ دیتے۔ جج یہ رنگ دیکھ کر دنگ تھا۔ جج نے صدرالصدوری کے عہد میں مولانا سے کچھ عرصہ کام بھی سیکھا تھا وہ مولانا کی عظمت اور تبحر علمی سے واقف بھی تھا۔ وہ دل سے چاہتا تھا کہ مولانا بری ہوجائیں۔ اسے ہمدردی تھی اسوقت تک مولانا پر جرم بھی ثابت نہیں ہورہا تھا۔ وہ بری کرنا چاہتا تھا، سرکاری وکیل لاجواب تھے چنانچہ پیروکار مقدمہ منشی کرم احمد خیرآبادی نے لکھنؤ سے سید اعظم علی خیرآبادی کے نام خیرآباد خط لکھا کہ :-

"مدت یک دو روز است کہ جناب مخدوم والاخوان بحسب تقریر مبتلائے حبس شدہ از سیتاپور بہ لکھنؤ برائے روبکاری صفائی روانہ کردہ شدہ زبانی آئندہ برگاہے ہم از تحریرات اینجا ہر روزہ منکشف بشود کہ امروز فردا بفضلہ تعالیٰ رہائی خواہد شد، روز بنا برادائے شہادت صفائی مولوی فضل حق صاحب مکرم مولوی نبی بخش مشفقی مولوی قادر بخش صاحب و برخوردار مولوی سید ضامن حسین بموجب درخواست (شمس العلماء) مولوی عبدالحق بمعیت ایشان روانہ لکھنؤ شدہ اند و ہمگیان را امید از خدائے کریم است دیگر روز بلفر دا مخلصی یافتہ دارد دولتخانہ خواہد شد او تعالیٰ ہم رحم کند بہمہ ہا از نور دو کلاں و ذکور دانات چشم براہ انتظار کشادہ میباشند و رنج و

تلوق عظیم دارند ایزد جل وعلیٰ بر جمع کساں چنیں خود فرما بد

دوسرا دن آخری دن تھا۔ مولانا نے اپنے اوپر کے بقیہ الزام رد کرنے کے بعد پھر پلٹا کھایا اور کہا جس مخبر نے فتوے کی خبر کی اس کے بیان کی اب میں توثیق کرتا ہوں۔ میرا ہی لکھا ہوا ہے اور میرے ہی مشورے سے علما نے دستخط کئے۔ پہلے اس گواہ نے سچ رپورٹ لکھوائی تھی مگر اب عدالت کے سامنے میری صورت سے مرعوب ہو کے جھوٹ بولا ہے۔ مجھے خدا کے حضور جانا ہے غلط بات مذہب کے مسئلے میں نہیں بول سکتا جج اس بیان سے پریشان ہو گیا۔ گھڑی گھڑی مولانا کو روکتا تھا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ رنگ دوسرا ہو چکا تھا جج کو رعایت کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہی تھی بصد رنج وغم حبس دوام بعبور دریائے شور کا حکم سنایا۔ مولانا نے بڑی مسرت سے حکم کو منظور کیا۔

"برادر من نادہ عشرہ بسبب عدم بہمرسی حامل ایں رقعہ افتادہ ماند حالیہ آدمی خاص مقرر کردہ فرستادہ می شد کہ جواب شافی یا بدو حال پُر ملال جناب مولوی فضل حق صاحب از لکھنؤ دریں عرصہ نوشتہ الالالئوں گریستن واویلا کردن است یعنی حبس دوام از پیشگاہ حکم صدر دریافت فواویلاہ واحسرتاہ و تعالیٰ رحم فرماید۔ (سیر العلماء)
تحریہ بستم فروری مطابق ۱۰ رجب ۱۲۷۵ھ

آخرش مولانا انڈمان روانہ ہو گئے۔ ادھر مولوی شمس الحق دہلوی اور علامہ کے قریبی عزیز خان بہادر مفتی انعام اللہ شہابی گوپاموی کے داماد خواجہ غلام غوث خان بہادر ذو القدر میر منشی لفٹنٹ گورنر مغربی وشمالی کی معاونت سے اپیل کر دی ۔۔ مرزا غالب یوسف مرزا کو لکھتے ہیں :۔

"مولانا (فضل حق) کا حال کچھ تم سے مجھ کو معلوم ہوا کچھ مجھ سے تم

معلوم کرو مراسلہ حکم دوام حابس بحال رہا بلکہ تاکید کی گئی کہ جلد دریائے شور کی طرف روانہ کرو چنانچہ تم کو معلوم ہو جائے گا ان کا بیٹا ولایت میں اپیل کیا چاہتا ہے کیا ہوتا ہے جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون"

جہاں دادخاں سیاح سیر کرتے ہوئے کلکتہ پہونچے تو مرزا غالب نے انھیں لکھا (۴ر اکتوبر ۱۸۶۱ء)

"ہاں خاں صاحب آپ جو کلکتہ پہونچے ہو اور سب صاحبوں سے ملے ہو تو مولوی فضل حق کا حال اچھی طرح دریافت کر کے مجھ کو لکھو کہ اس نے رہائی کیوں نہ پائی۔ وہاں جزیرے میں اس کا کیا حال ہے گذارا کس طرح ہوتا ہے"

مولانا کو انڈمان میں خدمت بہت ذلیل سپرد کی گئی تھی۔ بارگوں

انڈمان کی صفائی کیا کرتے[1]

جیل سپرنٹنڈنٹ ایک شریف انگریز تھا۔ مشرقی علوم کا دلدادہ تھا فن ہئیت و نجوم میں اس کو درک خاص تھا۔ اس کی پیشی میں ایک سزا یافتہ مولوی تھے اس نے اپنی مصنفہ کتاب ہئیت جو فارسی میں اس نے لکھی تھی، مولوی صاحب کو عبارت درست کرنے کیلئے دی۔ مولوی صاحب سے یہ کام نہ چلا تو علامہ کے پاس مولوی صاحب کتاب لے آئے اور جو ماجرا گذرا تھا وہ عرض کر دیا۔ مولانا نے وہ کتاب لے لی اور ایک ہفتے میں مفید اضافے اور حاشیے اس کے لکھ کے اور درست کر کے مولوی صاحب کو دیدی وہ کتاب لے کے سپرنٹنڈنٹ جیل کے پاس گئے۔ اس نے کتاب دیکھ کے مولوی صاحب کی بڑی

[1] بقول مولانا عمر البخاری۔

دادری، مولوی صاحب مسکرادئے۔ سپرنٹنڈنٹ بولا مولوی صاحب ہماری بات پر کیوں ہنستے ہو، وہ بولے حضور یہ میرا کارنامہ نہیں ہے بلکہ مولانا فضل حق کا ہے جو غدر کے سلسلے میں آئے ہیں۔ اس وقت سپرنٹنڈنٹ مولوی صاحب کو لے کے مولانا کے ٹھکانے پر آیا علامہ نہ تھے وہ انتظار کرتا رہا دیکھا ایک شخص ٹوکرا بغل میں دبائے چلا آرہا ہے۔ مولوی صاحب نے کہا یہی مولانا فضل حق ہیں سپرنٹنڈنٹ یہ ہیئت دیکھ کر آنکھوں میں آنسو لے آیا اور مولانا سے معذرت کی اور اپنی بیٹھک میں لے لیا اور احترام سے پیش آیا کرتا تھا۔ اور ان کے فضل وکمال کا واسطہ دیکے گورنمنٹ میں سفارش کی۔

ادھر علامہ کے صاحبزادے نے ولایت میں اپیل کر رکھی مخفی خان بہادر ذوالقدر خواجہ غلام غوث بیخبر نے اپنے پرانے عنایت فرما لفٹننٹ گورنروں کو لکھا پڑھا تھا۔ آخرش پروانہ آزادی آگیا اور مولوی شمس الحق انڈمان روانہ ہو گئے جب جہاز سے جزیرے میں اترے شہر میں گئے تو ایک جنازہ نظر آیا اس کے ساتھ ہزارہا آدمی تھے بڑا اژدہام تھا حکام وغیرہ سب ساتھ تھے۔ انھوں نے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں لوگوں نے بتایا

وفات مولانا فضل حق خیرآبادی ہیں۔ کل ۱۲ صفر المظفر ۱۲۷۸ھ کو انتقال ہوا ہے۔ اب پیوند خاک کرنے کے لئے جنازہ[1] لے جارہے ہیں۔ آخرش مولوی شمس الحق اپنے ہاتھوں باپ کو سپرد خاک کرکے وطن لوٹ آئے۔

---

[1] بزبانی ڈپٹی قاضی محتشم الدین دہلوی ناشر تعلیم غوثیہ و تذکرہ غوثیہ۔ یہ واقعہ راقم السطور نے ان سے سنا تھا۔

نواب محمد مصطفےٰ خاں شیفتہ دہلوی

عظیم الدولہ سرفراز ملک نواب مصطفےٰ خاں ابن نواب مرتضیٰ خاں بہادر مظفر جنگ والیٔ جہانگیر آباد ۱۸۰۶ء میں پیدا ہوئے۔ فارسی عربی کی مروجہ تعلیم میاں جی مالا بال دہلوی سے پائی۔ حدیث و قرأت میں مولانا حاجی نور محمد دہلوی نقشبندی شیخ عبداللہ سراج حنفی مکی اور شیخ محمد عابد سندھی مقیم مدینہ منورہ سے استفادہ کیا اسکے علاوہ مولوی کریم اللہ محدث سے بھی بعض علوم پڑھے۔ فی الجملہ تمام علوم رسمی و فنون متداولہ سے بخوبی واقف تھے صاحب تصنیف ہیں تذکرہ گلشن بیخار آپ کی یادگار ہے خاندانی املاک پر فارغ رہے۔

علمی چرچے و محفلیں

ہنگامے سے قبل نواب صاحب کا قیام زیادہ دلی میں رہتا۔ نواب ضیاء الدین خاں نیر۔ مفتی صدر الدین خاں آزردہ۔ حکیم احسن اللہ خاں مولوی امام بخش صہبائی مرزا اسداللہ خاں غالب۔ سید غلام علی خاں وحشت۔ میر حسین تسکین حکیم مومن خاں مومن جیسے سخنوران باکمال کا اس شہر لطافت بہر میں جمگھٹا تھا جب یہ لوگ مل کر بیٹھتے شعر و سخن کا بھی شغل اور چرچا رہتا۔ ۱۸۲۷ء کا وہ زمانہ تھا کہ نواب صاحب و مفتی صاحب کے یہاں ہر ہفتہ باری باری سے مشاعرہ ہوا کرتا تھا۔ ایک روز نواب صاحب کے یہاں مشاعرہ تھا اس میں مفتی صاحب نے اپنی وہ مشہور غزل پڑھی جس کا ایک شعر یہ ہے:-

یا تنگ نہ کر ناصح ناداں مجھے اتنا   یا لا کے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی

نواب صاحب کے مزاحاً مفتی صاحب کے چھیڑنے کو اس طرح میں ایک غزل ایسے شخص کو لکھ کر دے دی جس کا شمار سخنوران مشاہیر میں نہ تھا

مفتی صاحب کے بعد جب وقت اس نے اس غزل کو پڑھا مفتی صاحب کی گھبراہٹ اور پریشانی قابل دید تھی۔

ہم بزمی دشمن کا چھپا نا ہی تھا قاصد　　کہنا ہے کسی سے کوئی ناداں خبر ایسی
کہتے ہو علاج آپ کریں کچھ خفقان کا　　دل کا ہے کو رہو یگا سنائی اگر ایسی

صبر و استقلال خواجہ حالی فرماتے تھے کہ ایام غدر ۱۸۵۷ء میں جبکہ نواب صاحب مصیبت جلس میں بمقام میرٹھ تشریف رکھتے تھے ایک مرتبہ بہت کوشش سے اپنے مہربان قدیم طرمبل صاحب کے پاس جو پہلے کلکٹر بلند شہر اور میرٹھ میں جج ہو کر آ گئے تھے یہ پیام بھجوایا کہ آپ کسی وقت آ کر مجھ سے ملیں صاحب نے جواب دیا کہ میں علی الصبح آسکتا ہوں چنانچہ حسب وعدہ آئے لیکن نواب صاحب اس وقت دوگانہ سنت ادا کر کے فریضہ کے تہیہ میں تھے کہ آدمی نے اطلاع کی نواب صاحب نے نہایت اطمینان کے ساتھ نیت فریضہ باندھ لی اور حسب عادت سورہ دہر پڑھی اختصار گوارہ نہ فرمایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسٹر ٹرمبل بعد انتظار بسیار واپس گئے اور ایک ظاہر تدبیر ہاتھ سے جاتی رہی۔ مگر اس تدبیر کے فوت ہونے سے ان کے استقلال میں کچھ فرق نہیں آیا۔

تسلیم و رضا حاجی باسط علی ساکن کوسی جو ایک دیندار اور ثقہ آدمی تھے فرماتے ہیں کہ مصائب غدر میں ایک دن نواب مرحوم پیادہ پا محافظین کے ساتھ سڑک پر جاتے تھے۔ اس اثنا میں آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا "تیری شان کریمی کے قربان کہ اتنی ہی سزا دی ورنہ میں تو اس سے بہت زیادہ سزا کا مستوجب ہوں"

سیاسی زندگی:۔ تذکرہ نویسوں نے شاعرانہ حیثیت سے شیفتہ کو دیکھا

اوران کے دسترس سے بھی یہ سوانح باہر تھی۔ فی الحقیقت نواب شیفتہ اپنے عہد کے ملک وملت کے بہی خواہ تھے اوران شخصیتوں میں سے تھے جنھوں نے اپنی کرنی میں کسر نہ رکھی مگر قوم کی قسمت بگڑ چکی تھی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ عمال کمپنی بہادر نے جو روش اختیار کی تھی ملک گیری کے اختیار سے اپنی جگہ صحیح تھی مگر آزادی کے اعتبار سے بےچینی کا سبب بنی جاگیروں ریاستوں۔ حکومتوں کی ضبطی نے ارباب ثروت وجاگیرداروں میں ایک مخالفت کی لہر پیدا کر دی تھی اُدھر ہنگامہ جو برپا ہوا تمام جاگیردار بادشاہ دلی کے ہمنوا بن گئے۔ نواب شیفتہ کے ہم رشتہ رئیسوں نے نواب کو اپنا اگوا کیا۔ رؤسا میں سب سے بڑی شخصیت ولی داد خاں رئیس مالاگڈھ کی تھی ان کے پرچم کے تلے غلام جبار خاں زمیندار پونڈری سید نبی بخش سہارنپوری قاضی وزیر علی بلند شہری۔ عبداللطیف خاں رئیس خان پور اسمٰعیل خاں اعظم خاں نواب مصطفےٰ خاں آجمع ہوئے۔ ولی داد خاں مذکور کی بھانجی بادشاہ دلی کے ایک شہزادہ سے منسوب تھی۔ شیفتہ کے متعلق بادشاہ سے خط وکتابت کرنا تفویض تھی۔ چنانچہ ہنگامہ ہوتے پر ولی داد خاں نے اپنے علاقے میں بڑی سرگرمی دکھائی مگر پانسہ الٹا پڑا بعد تسلط ہر ایک باغی قرار دیا گیا۔ کسی کو حبس دوام ہوا کوئی سات برس کے لئے قید ہوا۔ شیفتہ کو بھی سات برس کی قید فرنگ ہوئی۔ نواب صدیق حسن خاں شوہر نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ والیٔ بھوپال نے بڑی کوشش کے بعد ان کو رہا کرایا۔ دلی کا رہنا چھوڑ دیا تھا اپنی جاگیر پر زیادہ قیام رہتا۔

وفات ۶۴ سال کی عمر ہونے کو ہوئی تھی کہ اجل آپہونچا ۱۲۸۶ھ ۱۸۶۹ء میں حضرت محبوب الٰہی کی خانقاہ میں دفن ہوئے۔

کلائیو یاقوت اور ہیروں کا تاج پہنے ہوئے سونے اور چاندی کے
ڈھیروں میں لوٹتا تھا۔ اور وہ جس قدر دولت اپنے لئے لینا چاہتا
تھا اس کیلئے آزاد اور خود مختار تھا۔[1]

عہدہ داران کمپنی کے اور اوصاف حمیدہ دیکھنے کے قابل ہیں۔ ایڈمنڈ برک ایک جگہ لکھتا ہے:۔

"(کمپنی کے) عہدہ دار قطعاً غیر ذمہ دار، ظالم اور جفاکار تھے انہوں
نے عائلی (ہندوستانیوں کی) پونجی کا بالکلیہ (تھوڑے ہی دنوں میں)
خاتمہ کر دیا تھا۔ ان کا مقصد کلی یہ تھا کہ بنگال کے باشندوں سے
جسقدر جلد ممکن ہو چند لاکھ اشرفیاں وصول کر کے دولت کا مظاہرہ
کرنے کیلئے فوراً اپنے وطن واپس ہو جائیں۔"

نتیجہ یہ ہوا کچھ ہی زمانہ میں کمپنی کی بدولت انگلستان میں خزانوں کا دریا بہنے لگا۔ لوگ سرمایہ دار بن گئے۔ اس ہی پر بس نہیں کیا بلکہ انگلستان کی صنعتی ترقی کی خاطر ہندوستانی صنعت کو تباہ و برباد کرنے کے درپے کمپنی ہو گئی۔

عمال کمپنی نے ڈھاکہ کی صنعت پارچہ بافی کو تباہ اور غارت کر کے کاریگروں پر وہ وہ ظلم و ستم ڈھائے کہ وہ لوگ اپنا وطن ترک کر کے فرار ہونے اور جلا وطن ہونے پر مجبور ہو گئے۔ "لڈلوس" اس واقعہ کو ان لفظوں میں بیان کرتا ہے کہ

"ہم نے ہندوستان کی روئی کی صنعت کو تقریباً برباد کر دیا ہے۔
ڈھاکہ بڑی حد تک غیر آباد اور ویران ہو گیا ہے۔"[2]

ان ہی وجوہ سے ڈھاکہ کی آبادی تین لاکھ سے گھٹ کر صرف ستر ہزار

---

[1] تاریخ وطنیت + [2] تاریخ وطنیت صفحہ ۷۴۔

قطعہ تاریخ وفات

چو رفت از جہاں مصطفےٰ خاں امیر — کہ بود اصل پاکیزہ و پاک فرع
خداوند تقویٰ خداوند زہد — فقیر آشنا سالک راہ شرع
نشد از فوت ایں بے سر و پا تمام — وفا کرم بہ ولی و تقویٰ وداع
۱۲۸۶ھ

مفتی صدرالدین خاں آزردہ

مفتی صدرالدین خاں آزردہ ابن مولوی لطف اللہ کشمیری ۱۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے اپنے والد سے ابتدائی درسی کتب پڑھیں معقول کی تحصیل مولانا فضل امام خیرآبادی سے کی حدیث حضرت شاہ عبدالقادر سے پڑھی بعد تحصیل علم کمپنی کی طرف سے صدرالصدور کئے گئے اور عہدہ افتار بھی ملا۔

شاہجہانی عہد سے زیر جامع مسجد مدرسہ دارالبقا چلا آرہا تھا وہ سلطنت کی تباہی کے ساتھ برباد ہوا مفتی صاحب نے اپنے روپے سے دوبارہ بنوایا۔ عمارت درست کرائی درس و تدریس کا اہتمام کیا۔ اساتذہ اور طلبار کو اپنے پاس سے تنخواہ و وظیفہ دیتے۔ منتہی طلبار کو عدالت کے کام سے فارغ ہو کے اسباق خود پڑھاتے اور تعطیل کے دن سب طلبار کو لے کر خود باغات کی سیر کراتے اور وہیں لذیذ کھانے کھلاتے تھے حکیم عبدالحئی مرحوم گل رعنا میں لکھتے ہیں:-

"جناب آزردہ مرحوم اُن چند اشخاص میں سے تھے جنھوں نے اعلیٰ درجے جامع قابلیت وفضیلت کے باوجود ملک میں بھی اپنی اعلیٰ استعداد کا سکہ بٹھا دیا خود آپ اپنے زمانے کے مشاہیر میں سے تھے اور نہایت

ا؎ کلیات شیفتہ و حسرتی صفحہ ۱۰ از مولانا نظامی بدایونی اور مفصل تذکرہ "غدر کے چند علماء" میں ہے۔

قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ علماء کی مجلس ہو تو صدر نشین، مشاعرہ ہو تو میر مجلس، حکام کے جلسوں میں مؤقر و ممتاز، بیکسوں اور محتاجوں کے ملجا و ماویٰ، منصب اعلیٰ پر ممتاز و حکام رس ہونے کے باوجود آپ کی طبیعت ظاہری نمائش سے کوسوں دور تھی۔ دنیاوی آسائش کے تمام سامان بہم ہوتے ہوئے سیدھی سادھی وضع سے بسر کرتے تھے۔"

سیاسی مسالک مفتی صاحب سرکاری آدمی تھے۔ اختر لونی کے ہمراہی میں ریاستوں کے معاملات بھی سلجھا چکے تھے۔ دلاور جنگ مولوی احمد اللہ شاہ دلی آئے اور آپ سے بھی ملے۔ کچھ اثر پذیر ہوئے مگر بزدلی کے ساتھ۔ ان کے ہم سبق مولانا فضل حق خیر آبادی نے فتویٰ جہاد دیا جنرل بخت خاں نے اس سے زندگی پیدا کرنا چاہی ان سے بھی دستخط لئے اور علماء نے بھی تصدیق کی مگر بالجبر کو ایسے لکھا کہ بالجبر پڑھا جائے۔ مگر مفتی صاحب بعد ہنگامہ پکڑے گئے اور سزا بھی ہو گئی وہیں بیٹھے بیٹھے ترکیب بند لکھ ڈالا جس کا ایک شعر یہ ہے:۔

پھنسے بیڑھب الٰہی دیکھئے کیسی بنے مر رہے ہیں سب الٰہی دیکھئے کیسی بنے

پیروی مقدمہ میں بیان دیا مفسدوں نے زبردستی دستخط کرا لئے۔ بالجبر میں نے لکھا ہے۔ کاغذات برآمد ہوئے تو پڑھا گیا اور مفتی صاحب کے بیان کی تصدیق ہو گئی چنانچہ چھوڑ دیئے گئے۔

مرزا غالب نے اپنے ایک خط میں حضرت آزردہ کے قید ہونے کی تفصیل لکھی ہے "حضرت مولوی صدر الدین صاحب بہت دن حوالات میں رہے کورٹ میں مقدمہ پیش ہوا روبکاریاں ہوئیں آخر صاحبان کورٹ

نے جان بخشی کا حکم دیا نوکری موقوف جائداد ضبط ناچار خستہ و تباہ حال لاہو گئے۔ تھا نشل کمشنر اور لفٹننٹ گورنر نے ازراہ ترحم نصف جائداد واگذاشت کی اب نصف جائداد پر قابض ہیں۔ اپنی حویلی میں رہتے ہیں۔ اگرچہ یہ امداد اُن کے گذارے کو کافی ہے اس واسطے کہ ایک آپ اور ایک بیوی نہیں چالیس روپے مہینے کی آمدنی لیکن امام بخش کی اولاد ان کی عترت میں ہے اور وہ دس بارہ آدمی ہیں فارغ البالی سے نہیں گزرتی ضعف پیری نے بہت گھیر لیا ہے عشرہ ثامنہ کے اواخر میں ہیں یعنی اسی برس کے قریب عمر ہے خدا سلامت رکھے بہت غنیمت ہیں ۔"

جامع مسجد دلی جامع مسجد غدر میں انگریزوں کے قبضے میں آگئی تھی یہ مقدس عمارت فوجی ہسپتال کے کام میں تقریباً دو سال تک رہی مسلمانان دہلی فریضہ نماز کی ادائیگی سے محروم تھے جب دلی میں امن چین ہو گیا تو مفتی صاحب نے عمائد شہر کی ہمنوائی میں مسجد کی واگذاشت کی سعی کی آپ کے شرکا میں سے شاہی خاندان کے فرد مرزا الٰہی بخش بھی تھے۔ چنانچہ گورنمنٹ نے یہ مسجد مسلمانوں کے حوالے کردی اور اس کی ایک انتظامیہ کمیٹی بنادی مفتی صاحب بھی ایک رکن تھے[۱]

حلیہ گداز جسم، سانولا رنگ۔ چھوٹی چھوٹی آنکھیں ذرا اندر کو دھنسی ہوئی۔ بڑھی ہوئی داڑھی۔

لباس سادی وضع کے آدمی تھے۔ ظاہری نمائش سے کوئی سروکار نہیں رکھتے تھے۔ لباس سفید ایک برکا پاجامہ سفید کرتا، سفید ہی صافہ ہوتا تھا۔

شاگرد :- نواب صدیق حسن خاں نواب یوسف علی خاں رام پوری ۔

---

[۱] غدر کا آخر نتیجہ ۔

سر سید احمد خاں، مولوی ذوالفقار علی دیوبندی، مولوی فیض الحسن، مولوی حکیم محمد حسن امروہوی، مولوی احمد حسین مراد آبادی، مولانا سید نواب علی۔

وفات ایکیاسی برس کی عمر پا کر ۱۱ر دسمبر ۱۸۶۷ء کو فالج گرا کچھ عرصہ علیل رہ کر ۲۴ ربیع الاول ۱۲۸۵ھ کو راہی ملک بقا ہوئے۔ درگاہ حضرت چراغ دہلی میں دفن ہوئے[1]

مولوی ظہور علی المخاطب بہ شمس الشعراء نے تاریخ وفات یہ لکھی:۔

چو مولانائے صدر الدین کہ در عصر — امام اعظم آخر زماں بود
زہے صدر الصدور نیک محضر — بعدل و داد چوں نوشیرواں بود
بروز پنجشنبہ کرد رحلت — کہ ایں عالم نہ جائے جاوداں بود
ربیع الاول و بست و چہارم — وداع روسوئے دار رحیماں بود
ظہور افسوس ان اوستاذی قدر — پدر دارم ہمیشہ مہرباں بود
چراغش ہست تاریخ ولادت — کنوں گفتم چراغ دو جہاں بود[2]
۱۲۸۵

خان بہادر خاں

نواب خان بہادر خاں نبیرۂ حافظ الملک حافظ رحمت خاں روہیلے ایک عرصے تک صدر الصدور کے عہدے پر سرفراز رہے۔ ہنگامے میں بریلی کے والی بنے بعد تسلط حکومت برطانیہ گرفتار ہوئے پھانسی لگی اور جیل خانے کے صدر دروازے کے درمیان میں دفن ہوئے۔ مفصل حالات حیات حافظ رحمت خاں[3] اور "غدر کے چند علماء" میں درج ہیں۔

---

[1] مفصل حالات غدر کے چند علماء میں ہیں۔ [2] داستان تاریخ اردو صفحہ ۲۷۳ و نقش سلیمانی۔
[3] حیات حافظ رحمت خاں از مولوی سید الطاف علی بریلوی مطبوعہ نظامی پریس بدایوں۔

سیّد اکبر زماں اکبر آبادی

سید اکبر زماں ابن سید امیر زماں نبیرۂ سید حسین زماں اکبر آبادی تھا۔ حسین زماں کے بھائی سید حسن زماں کے پوتے سید منور زماں تھے۔ انہی کی یادگار مسجد بیر چھینگا ہے۔

سید اکبر زماں نے فارسی عربی کی رسمیہ تعلیم پائی شعر و شاعری سے بھی ذوق تھا۔ مجید تخلص کرتے تھے۔ آگرہ کالج میں کچھ عرصے مدرس رہے پھر ہیڈ مولوی ہو گئے۔ آخر میں قلعہ آگرہ میں فوجی محکمہ میں میر منشی مقرر ہوئے۔ دلاور جنگ احمد اللہ شاہ کی خدمت میں بھی باریاب تھے۔ شاہ صاحب لکھنؤ سدھارے۔ میر منشی پر یہ آفت آئی کہ ہنگامہ ۵۷ء رونما ہوا تمام انگریز قلعہ میں پناہ گزیں ہوئے۔ افغان سپاہیوں نے ان کو اکوا کیا یہ پیش پیش تھے اور لال بہادر خاں میواتی صوبہ دار الوری آگرہ پر حملہ آور ہوا انگریزی فوج کالی ندی پر پسپا ہوئی یہ آگرے تک آیا قلعہ پر حملہ کرنا چاہتا تھا سکندر خاں خانسامہ نے جو گھسیارے کی شکل میں امر سنگھ گیٹ پر کھڑا تھا لال بہادر خاں سے کہا کہ سب انگریز ابھی منصورا کی طرف گئے انکو میں نے جاتے دیکھا ہے لال بہادر خاں نے شہر پر قبضہ کیا چار دن اس کی حکومت رہی آخر شب انگریزی فوج نے گھیر لیا۔ یہ سب میوات چلتے ہوئے، سید اکبر زماں اندور چل دئے جب انگریزی تسلط آگرے پر کافی ہو گیا آموجود ہوئے خیال یہ ہوا کہ چل کر قلعے میں پھر نوکری کر لی جاوے یہ قلعہ جا رہے تھے مزار غوث پر ایک مجذوب بیٹھا ہوا تھا اس نے کہا سید کہاں جاتا ہے سر اور پیر میں لوہا مجھ کو نظر آتا ہے۔ یہ نہ سمجھے قلعہ میں داخل ہو گئے اسوقت وہی

افسر موجود تھا جس کے سامنے افغانیوں کے ساتھ قلعہ سے نکلے تھے انکی صورت دیکھتے ہی فوراً گوروں کو حکم دیا اسکو پکڑ لو یہ باغی ہے آخرش مقدمہ چلا حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا ملی بہ مجبوری انڈمان گئے وہاں بیس برس رہے -

پنڈت سالک رام ہیڈ کلرک تھے انھوں نے اکبر زماں سے پوچھا کہ آگرے میں ڈپٹی منور زماں تھے انکو بھی جانتے ہو یہ بولے وہ میرے چچا تھے اس نے انکو اپنی پیشی میں لے لیا اور قیدیوں کے پڑھانے پر پانچ روپے ماہوار دیا کرتا کچھ عرصہ بعد ستر روپے ماہوار ملنے لگے۔ محمد جان نامی بہشتی زادہ آگرے کا نو عمر لڑکا تھا اسکو خدمت میں لے لیا کافی رقم پیدا کی مولانا جعفر تھانیسری جب انڈمان گئے تو اکبر زماں نے انکی بیحد خدمت کی جس کا ذکر انھوں نے اپنی تصنیف کالا پانی میں کیا ہے۔ جب بیس سال گذر گئے اور انکو رہائی ملی تو سب مال و دولت چھوڑکر آگرے آگئے اور ٹیوشن پر زندگی گذارنے لگے۔ آخیر میں نابینا ہو گئے تھے مگر حافظہ صحیح تھا۔ مولانا مظفر علی شاہ کے مرید تھے۔ آخر عمر میں فقر کا رنگ غالب تھا ۱۹۰۴ء میں عمر طبعی پاکر انتقال کیا اور کربلا کے قبرستان میں دفن ہوئے -

ان کا کلام مولوی محمد علی شاہ میکش اکبرآبادی کے پاس ہے +

جنرل بخت خاں روہیلہ

بخت خاں کی شخصیت جو کچھ ہو مگر اس کے ارادے بلند ضرور تھے وہ اپنی بساط بھر آخری شاہ مغلیہ کی مدد ایسی کرنا چاہتا تھا کہ وہ مغلیہ حکومت کا کھویا ہوا وقار نئے سرے سے واپس آجائے مگر اس کی تدابیر بادشاہ ابوالظفر اور اسکے اہل خاندان کے ہاتھوں پائمال ہوئیں ورنہ آج اس کے کہنے پر عمل

ہو جاتا تو بساط ہی دوسری بچھی نظر آتی۔ بخت خاں کے اجداد روہیلہ خاندان سے تھے جس میں غلام قادر شہید سے لوگ پیدا ہوئے ننھیال نواب اودھ کی قرابت دار تھی سلطان پور میں قیام تھا[1]

ابتدائی حال کا پتہ نہیں لگا کابل کی جنگ میں مسٹر رسل کی ہمراہی میں پہلے پہل نظر آتے ہیں رسالدار کے عہدے پر ممتاز تھے افغانوں کے مقابلے میں کارہائے نمایاں کئے توپ خانے کے انچارج ہو گئے جب کابل سے فوج سرکاری واپس ہوئی یہ نیمچ کی چھاؤنی میں رکھے گئے اور صوبہ دار بنا دئے گئے کچھ عرصے بریلی رہے اپنے پیر مولوی سرفراز علی کے حکم سے انگریز سے بیزار ہو گئے۔ جب میرٹھ فوج میں بغاوت ہوئی یہ موقعہ کے منتظر تھے ہی نواب بہادر خاں نبیرہ حافظ الملک رحمت خاں جو صدر الصدور رہ چکے تھے انکے ہمنوا ہو گئے انھوں نے بریلی پر قبضہ کیا اور روہیلکھنڈ کے نواب بن گئے بہادر شاہ کو اسکی اطلاع دیدی نانا راؤ پیشوا بٹھور کو اس واقعے کی خبر لگی اس نے اپنے بھائی بالا صاحب گوکھلے کو ان کے پاس بھیج دیا۔ بخت خاں اور بالا صاحب گوکھلے ہم خیال ہو گئے۔ بدایوں اور فرخ آباد تحصیل وصول کے لئے چل کھڑے ہوئے۔ زمینداروں سے مالیانہ وصول کرتے ہوئے فوج کی بھرتی شروع کردی۔ جب بڑی فوج ہو گئی بلب گڈھ پر حملہ بول دیا ادھر ادھر سے تلنگے اور فوجی لوگ آ گئے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں دہلی ہی تمام باغی فوجوں کا مرکز بنگیا تھا۔

میرٹھ کے علاوہ بھی جہاں جہاں فوجیں باغی ہوتی تھیں سبھی دہلی کا رُخ کرتی تھیں کیونکہ دہلی میں مغلیہ سلطنت جو کہ نام کی سہی پر بادشاہ تو موجود تھے جن کو ہندو مسلمان صدیوں کی روایات کی بنا پر دلوں میں اپنا بادشاہ سمجھتے تھے

---

[1] غدر کی صبح وشام ۔

اور انکی مجبوری اور مھوری سے دل ہی دل میں کڑھتے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ غدر اور بغاوت کے بعد ہر شخص دہلی کا رخ کرتا تھا کیونکہ بادشاہ دہلی کو اس موقع کیلئے سب سے بڑا مرکز سمجھا جاتا اس اعتبار سے بہ زمانہ غدر دہلی میں سب سے بڑی شخصیت بہادر شاہ کی تھی اس کے بعد انکے بیٹے مرزا مغل کی مرزا خضر سلطان مرزا ابوبکر مرزا عبداللہ دہلی کے سربرآوردہ شہزادہ تھے۔"

ظہیر دہلوی لکھتے ہیں:۔

"بخت خاں جرنل چودہ ہزار کا کیمپ اور چند توپ خانے اور دو تین رجمنٹیں سواروں کی اور کئی لاکھ روپیہ خزانہ بریلی سے لے کر دہلی وارد ہوا۔" [1]

بہادر شاہ نے بخت خاں کو جرنل فوج کا مقرر کیا یہ امر مرزا مغل کی ناگواری کا باعث بنا شمس العلماء خواجہ حسن نظامی دیباچہ مقدمہ بہادر شاہ میں لکھتے ہیں "غدر کی تحریکین میں صدہا نام نظر آتے ہیں مگر اصل روح رواں تمام قوتوں کے (بہادر شاہ مرزا مغل بخت خاں) یہی تین آدمی تھے مگر انقلاب کی رہنمائی کا سلیقہ بہادر شاہ اور مرزا مغل میں نہ تھا۔ البتہ بخت خاں کی قابلیت مسلم ہے۔ اگر اسکو بہادر شاہ اور مرزا مغل سی شاہانہ شخصیت حاصل ہوتی تو وہ فوجی وانقلابی لیاقت سے انگریز کے اقتدار کا خاتمہ کردیتا انقلابی جماعت کا وہی ایک ہونہار رکن تھا۔ اور ایک مخصوص قابلیت فاتح ہونے کی اس کے اندر موجود تھی جس کو انگریزوں کی فوجی تربیت نے چار چاند لگادئے تھے۔ بادشاہ اپنی کمزوری اور شہزادوں کی نالائقی سے واقف تھا اسلئے اس کے تمام اختیارات بخت خاں کے ہاتھ میں دے دئے تھے اور اس کو لارڈ گورنر

---

[1] داستان غدر صفحہ ۹۷۔

بناد یا تھا۔ اور اس کی رائے پر خود ہی عمل کرتے رہے مگر آخری رائے جرنل بخت خاں کی قبول نہ کی۔ اور مرزا مغل بخت خاں کے راستے میں رکاوٹیں ڈال رہا تھا۔ اس کش مکش میں فوجیں باہر ہو گئیں۔ انتظام کی مشین بگڑ گئی انگریز دہلی پر قابض ہو گئے اور انقلاب کی اسکیم دھواں ہو کر اڑ گئی"۔ لہ

بخت خاں لکھنؤ گئے خلد منزل میں سلطان بہو صاحبہ کے یہاں بہ سبب قرابت قریبہ قیام پذیر ہوئے اور حضرت محل سے ملے ۵ ہزار دعوت کے علاوہ خلعت اور رومال ملا۔ انکے ہمراہ پانچ ہزار فوج تین سو سوار تیں دلی اور فرخ آباد کے بہت سے لوگ ساتھ تھے۔ چند یوم قیام کر کے مولوی احمد اللہ شاہ کے شریک کار ہو گئے یہاں کی ناکامیابی کے بعد شاہجہانپور اور وہاں سے محمدی آخر کار اپنے ہمراہیوں سمیت نیپال کا راستہ لیا۔ فوج ساتھ رہی۔ ایسے روپوش ہوئے پھر پتہ نہ لگا۔ (مفصل حالات مرتبہ سیدہ انیس فاطمہ بریلوی ۲۵ جون کے مصنف علی گڑھ میں درج ہیں) ۔

سید کرم علی اکبر آبادی

ٹرانسپورٹ کے انچارج تھے ہنگامے کے دوران میں باغیوں کی امداد کی اور مال و اسباب بھی لوٹ کا انکے گھر میں جمع ہوا بعد تسلط انگریزی انکے محلہ قاضی پاڑہ کو کھدوا دیا گیا اور سید صاحب کو پھانسی دی گئی۔ مزار آگرہ فورٹ کے پل پر ریلوے سڑک کے پہلو میں بنا ہوا ہے اور مرجع خلائق ہے۔ مولوی سعادت خاں اندوری انکے دادا راجہ ہلکر کے معزز عہدہ دار تھے۔ شہر میں بڑا اثر تھا۔ جنگ آزادی ۵۷ء شہر میں اس افغانی عالم نے عملی حصہ لیا حریت نوازوں کے سرپرست بنے مسٹر نہر ندرس فوج لیکر اندور آیا اس سے مقابلہ کیا راجہ

لہ دیباچہ مقدمہ بہادر شاہ از شمس العلماء خواجہ حسن نظامی صفحہ ۲۳۶۔

ہلکر نے اپنوں کو مروا دیا یہ کام آئے۔

مولوی فیض احمد عثمانی بدایونی صدر بورڈ میں پیشکار تھے دلّی گئے وہاں مجسٹریٹ کئے گئے۔ پھر جنرل بخت خاں کے ساتھ رہے۔

مولوی فیض الحق الوری بادشاہ نے دلّی میں تحصیل وصول کا کام سپرد کر رکھا تھا اور ان سے بہت خوش تھے۔

قاضی فیض اللہ دہلوی ان کا حال معلوم نہ ہوسکا صرف ان کا نام بہادر شاہ کے مقدمہ میں آیا ہے۔

سید مبارک شاہ رامپوری۔ مولوی امام خاں رسالدار ٹونک کے تھے۔ دلّی آکر مجاہدین میں شامل ہوئے۔ مولوی سرفراز علی امیر المجاہدین جو جرنل بخت خاں کے پیر تھے۔ مولوی عبد الغفور ٹونکی مولوی عماد الدین شہید نبیرۂ ملا عبد السلام کرمانی دیوی علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل ارباب خاندان سے کی لکھنؤ کے چکلہ دار (ناظم) ہوگئے۔ حمد اللہ پر حاشیہ مبسوط لکھا علماء حجاز کے ہمنوا تھے سندیلہ میں فوج مخالف کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا وہیں مزار ہے جو مرجع خلائق ہے۔

سید گلزار علی امروہوی

سید گلزار علی ابن سید اکبر علی بن سید قریب علی بن سید عبد الواحد بن سید عبد الباری بن دیوان سید محمود ساکن امروہہ دربار کلاں۔ ابتداءً کثیر جائداد کے مالک تھے۔ فیاضی طبع و ناتجربہ کاری کے باعث سب جائداد ضائع ہوئی پھر مختاری کا امتحان پاس کرکے مراد آباد میں عدالت ہائے

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

فوجداری کو کلکٹری میں مختاری کا کام کرتے رہے ۔ ۱۹ ر مئی ۱۸۵۷ء کو جب مراد آباد میں ہنگامہ ہوا اور جیل خانہ ٹوٹا تو یہ قیدیوں کو ساتھ لیکر راتوں رات مراد آباد سے امروہہ آ گئے یہاں پہلے سے حریت نواز لوگ جمع تھے امروہہ پہونچ کر سب کو ساتھ میں لیکر امروہہ پر قبضہ کر لیا ۔ سادات محلہ دربار کلاں واولاد دیوان سید محمود اور شیوخ کلاں نبیرگان درویش علی خاں منصب پنج ہزاری عہد فرخ سیر نے یہاں اپنی حکومت قائم کر لی اور رعایا سے پندرہ پندرہ سال کا زمینداره وصول کیا ۔ ان ہی حضرات میں سے کوئی ناظم مقرر ہوا اور کوئی دیوان بنا ۔ سید گلزار علی نے فوج کی بھرتی شروع کر دی ۔ دو تین ہزار آدمی بھرتی ہو گئے ۔ مراد آباد میں شاہزادہ فیروز شاہ ۔ خان بہادر خاں بریلی کی فوج لے کر آ دھمکے چار ہزار فوج ان کے ساتھ تھی ۔ اور ایک درخواست بادشاہ دہلی کو روانہ کی گئی ۔

"بندگان حضور لامع النور معدلت گستر حضرت ظل سبحانی خلیفتہ اکبر ثانی شاہنشاہ گیتی پناہ خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ"

بعد تقدیم مراسم عبودیت و جان سپاری و لوازم فدویت و انکساری کہ سرمایۂ تفاخر سرمدی است دریں ایام فرخندہ فرجام بہ استماع مژدہ جاں بخش روح افزائے زینت بخش افسر و دیہیم خلافت الٰہی و زینت افزائے اورنگ شاہنشاہ وایں غلامان قدیمی و خانہ زادان موروثی نبیرگان درویش علی خاں منصب دار پنجہزاری بہ اقبال والا جانبازی بکار بودہ وبمبارزت دلیری کردہ استیصال بندوبست انگریزاں از سرکار سنبھل و کل قصبات متعلقہ سرکار موصوفہ ساختہ واز قصبہ امروہہ خاص کو توالش و دیگر متعلقان و خیر خواہان

انگریزی را بہ جہنم رسانیدہ وانہدام مکان تھانہ وتحصیل گردانیدہ شیخ بشارت علی خاں برادر کلاں خود را کہ از بس منتظیم اند معہ پانصد کس میبارز و برائے انتظام اینجا گذاشتہ ما۔ فدویان بتاریخ بست و نہم ماہ رمضان المبارک معہ چہل تن برائے جاں نثاری تخت حضور فیض گنجور و قدم بوسی بندگان درگاہ ملائک پناہ کہ ملجائے جہاں و ماوائے بندگان قدیمی و تھانہ زادان موروثی است از قصبہ امروہہ رواں دواں تا غازی الدین نگر رسیدہ راہ دہلی پیش گرفتم کہ عظیم الدولہ سرفراز الملک نواب ولی محمد ولی داد خاں بہادر بتاریخ دوم ماہ شوال پل دریائے ہنڈان واپس کنانیدہ ہمراہ خود بمقام مالاگڈھ آمدہ نذر بسیار الطاف فرمودند اکنوں ما فدویان در مقام مذکور الصدر حسب الارشاد نواب صاحب مدارج مقیم مستقیم و مستحق منصب موروثی لہٰذا امید کہ بتفضیلات حضرتِ ظل سبحانی و سایۂ یزدانی بہ مراحم شاہنشاہی و بہ مناصب موروثی سرفرازی یافتہ بہ انتظام ملک کٹہر مامور رویم کہ اینجا آں بہ اقبال بندگان والا بخوبی خواہد شد۔ الٰہی آفتاب جہانگیر و کشور کشائے از مطلع جاہ و جلال طالع باد بحرمت النون و الصاد فقط۔"

مسٹر ولسن اسپیشل کمشنر مراد آباد

۲۲ مئی ۱۸۵۸ء کو مسٹر ولسن کو اسپیشل کمشنر مقرر کیا گیا۔ کمشنر ہوتے ہی یہ امروہہ آیا اور بہت سے لوگوں کو گرفتار کر کے لے گیا۔ شیوخ کلاں میں سے درویش علی خاں مرحوم و شیوخ صدیقی میں سے شیخ محمد افضل بن شیخ رمضان علی بلوہ بغاوت کے سرغنہ ہونے کے جرم میں حبس دوام بہ عبور دریائے شور، ضبطی جائداد اور ان کو پھانسی کی سزائیں دی گئیں۔ سید گلزار علی نے غدر میں

نمایاں حصہ لیا تھا۔ غدر کے بعد مدت العمر روپوش رہے ضلع بریلی وغیرہ میں ایام جلاوطنی و پریشان حالی میں بسر کی اور اسی حالت میں وطن اصلی سدھارے۔ وجیہہ و شکیل اور طبعاً فیاض اور جری و جوانمرد تھے۔ (تاریخ امروہہ صفحہ ۸۳)۔

مولانا شاہ عبدالجلیل اکابر علما سے تھے علوم ظاہری کے ساتھ فیوض باطن سے بھی متمتع تھے معقولات میں مولانا بزرگ علی مارہروی کے شاگرد اور حدیث و فقہ میں مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی سے مستفیض ہوئے خلافت حضرت سید احمد بریلوی سے ملی۔ جامع مسجد علی گڈھ کی امامت پر مامور تھے۔ ۵۷ء کی جنگ آزادی کی علمبرداری نصیب ہوئی میدان وغا میں اترے جہاد کیا یہ جنگ سونپال کے باغ پر ہوئی جس میں فائز بہ شہادت ہوئے مسلمانان علیگڈھ نے آپ کی نعش مبارک آپ کے دوسرے ساتھیوں کی لاشوں کے ہمراہ جامع مسجد میں دفن کی یہ خطیرہ جامع مسجد کے شمالی دروازے سے اندر جاتے ہوئے ملتا ہے۔ اس پر درخت گل دار لگا دئے گئے ہیں۔

شاہ عبدالجلیل کے صاحبزادے مولانا محمد اسمٰعیل تھے جو عالم و فاضل تھے۔ باپ کی جگہ پیش امام رہے۔ صاحب درس و افادہ تھے[1]۔

ڈاکٹر وزیر خاں اکبرآبادی

ڈاکٹر صاحب بہار کے رہنے والے تھے ابتدائی تفصیل مناظرے کے ذکر میں آچکی ہے آگرے میں محلہ تاج گنج میں قیام تھا۔ جنرل بخت خاں نے لارڈ آگرہ بنایا تھا آخر تک یہ جنرل صاحب کے ساتھ رہے زخمیوں کی خبرگیری ان کا کام تھا۔ ناکامیابی پر ہجرت کر گئے مکہ میں قیام تھا یہاں ایک بدوی سردار کی بیوی

---

[1] تراجم علمائے حدیث صفحہ ۲۲۳

خطرناک مرض میں گرفتار ہوئی ہر جگہ علاج کرا کر ان کے پاس آیا ڈاکٹر صاحب نے ایسا علاج کیا خدا نے اس کو شفا دی وہ سردار بہت خوش ہوا اور کہا کیا خدمت کروں آپ نے کہا مجھکو کسی چیز کی ضرورت نہیں ایک عرصے بعد حکومت برطانیہ نے ٹرکی حکومت کو لکھا کہ ہمارا باغی آپ کے یہاں ہے وہ گرفتار کر کے بھیجدو۔ باب حکومت نے شریف مکہ کو لکھا شریف نے ڈاکٹر صاحب کو بلایا آپ نے کہا میں حرم میں ہوں آپ مجھ کو گرفتار کر کے خلاف شرع نصاریٰ کو دے کر مستحق عذاب ہوں گے۔ شریف نے کہا آپ بدوی سردار سے اس مسئلے میں مشورہ کیجئے۔ میں باب حکومت ٹرکی سے مجبور ہوں۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب بدوی سردار کے پاس گئے تمام حالات سن کر شریف مکہ کو کہلا بھیجا کہ آپ سلطان ٹرکی کو کہلا بھیجئے میری امان میں ڈاکٹر ہے جب تک میرے قبائل جن کی تعداد بیس ہزار ہے وہ کٹ نہ جائیں گے ڈاکٹر پر کوئی ہاتھ ڈال نہیں سکتا۔ چنانچہ شریف نے باب عالی کو لکھا انھوں نے برطانیہ کو انکار لکھدیا کہ مکہ کا کوئی آدمی کسی دوسرے کو نہیں دیا جا سکتا۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب غدر کے پندرہ برس تک زندہ رہے۔ انتقال ہوا تو جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ مولوی محمد اسمٰعیل ٹونکی حضرت یاس ٹونکی کے بھائی ۱۹۳۵ء میں حج کو گئے تھے ڈاکٹر صاحب کے مزار پر بھی حاضری دی۔

نواب علی بہادر خاں باندہ

نواب علی بہادر خاں خلف نواب ذوالفقار علی خاں والی باندہ انکے بھائی نواب شمشیر علی خاں بہادر نے باندہ کی راجدھانی قائم کی۔ ذوالفقار علی خاں نواب ہوئے۔ ۱۲۴۹ھ میں اس دنیا سے انھوں نے انتقال کیا۔

شد آہ ذوالفقار علی در نیام آہ
۱۲۴۹

نواب علی بہادر خاں سنہ ۱۲۶۵ھ میں تخت نشین ہوئے منیر شکوہ آبادی نے قطعہ لکھا۔

علی بہادر عالم پناہ بندہ نواز
نہاد چوں بسر خویش افسر شوکت
منیر مصرع تاریخ ایں عمل گفت
جلوس یاد مبارک بہ مسند نصرت
۱۲۶۵

گورنر کے یہاں سے خلعت آیا اس پر منیر کہتے ہیں :۔

خلعت آیا گورنری سے ملا
کھل گیا باغ ثروت اور جلال
مرے نواب ہو گئے مسرور
ہو مبارک یہ سال فرخ فال
کہی برجستہ میں نے یہ تاریخ
آج آیا ہے خلعت اقبال
۱۲۶۵

نواب خوش استعداد اور اہل علم کے قدردان شعر گوئی سے شوق منیر شکوہ آبادی سے مشورہ سخن کرتے علی تخلص تھا۔ کہتے ہیں :۔

قصد کرتا ہوں ترے گھر سے جو میں جانے کا
دل یہ کہتا ہے کہ تو چل میں نہیں آنے کا

ریاست باندہ بند یلکھنڈ میں واقع ہے جھانسی کو زیادہ اہمیت تھی یہ علاقہ بھی ایسٹ انڈیا کمپنی کے ماتحت تھا یہاں کا والی راجہ گنگادھر راؤ تھا اس کو مارو پنت تانبے کی لڑکی لکشمی بائی بیاہی گئی تھی۔ مارو پنت آخری پیشوا باجی راؤ دویم کا برہمن پروہت تھا لکشمی بائی کے آٹھ برس بعد ایک بچہ ہوا جو چار ماہ کی عمر میں فوت ہو گیا۔ راجہ گنگادھر پر بجلی سی گری وہ غم میں بچے کے گھلتا ہی رہا۔ اس نے اپنی گرتی ہوئی حالت کو دیکھتے ہوئے دامودر راؤ جو قریبی عزیز تھا اس کو متبنیٰ کر لیا۔ لارڈ ڈلہوزی ہندوستان کا گورنر جنرل تھا اسکی منشا تھی کہ تمام ریاستیں حکومت سے ملحق ہو جائیں۔ ستارا۔ ناگپور کے بعد جھانسی پر نگاہ تھی گنگادھر راؤ نے پہلے انگریز ریزیڈنٹ

سے درخواست کی تھی کہ وہ اس کی تاج برطانیہ سے عمر بھر کی وفاداری کے پیش نظر جھانسی کا الحاق نہ کریں مگر درخواست نامنظور ہوئی۔ جھانسی کا الحاق ۱۸۵۴ء میں عمل میں آیا اور نوجوان بیوہ لکشمی بائی بے دخل کر دی گئی اس نے کمپنی کے اس خلاف عہد طرز پر آواز اٹھائی مگر یہ احتجاج صدا بصحرا ثابت ہوا۔

رانی کو ارباب حکومت سے منافرت سی پیدا ہوگئی مگر رانی اپنی رعایا کی خدمت میں لگی رہی انکی ضروریات کا لحاظ رکھتی ہر ایک اس کا گرویدہ تھا۔ اس اثنا میں طوفان کے بادل چھانے لگے۔ کمپنی کے عمال کی سخت گیری سے عوام میں بے چینی کی چنگاریاں اکٹھی ہوکر غدر کے واقعات کی صورت اختیار کرنے لگی تھیں جو کہ دراصل ہندوستان کی طرف سے اپنی سو سالہ غلامی کا جوا اتار پھینکنے کے لئے پہلی بغاوت تھی۔ بغاوت کا یہ شعلہ جوں ہی بھڑک اٹھا اس نے تقریباً سارے ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا لکشمی بائی کی من مانی مراد پوری ہوئی۔ دلّی لکھنؤ کانپور کے واقعات نے رانی پر بھی اثر ڈالا اس نے فوج اکٹھی کر لی اور جھانسی کو مقابلہ کے لئے مضبوط کر لیا۔ سر ہیگ روزنہ یہ رنگ رانی کا دیکھ کر ایک فوج گراں کے ساتھ جھانسی پر حملہ آور ہوا۔

رانی کے پاس گیارہ ہزار جوانوں پر مشتمل فوج تھی۔ مقامی کارخانوں کی تیار کردہ توپوں، بندوقوں، گولوں اور بارود وغیرہ سے آراستہ کر دی گئی تھی۔ چنانچہ سر ہیگ روز کے حملہ کو رانی خاطر میں نہیں لائی اور مقابلے کیلئے تیار ہوگئی رانی نے تانتیا ٹوپی کو امداد کے لئے لکھا۔ تانتیا فوج لے کر جھانسی کی طرف آ رہا تھا۔ انگریزی فوج سے مقابلہ پڑا شکست کھا گیا۔

نتیجہ میں رانی کو شہر کی حفاظت ترک کرنا پڑی اور پیدل کالپی روانہ

ہوگئی راؤ صاحب یہاں کے محاذ کا افسر اعلیٰ تھا اس نے ڈھائی سو سواروں کا دستہ رانی کے زیر کمان دیا، اس نے انگریزی فوج سے مقابلہ کیا۔ اور داد شجاعت دی۔ مگر راؤ صاحب اپنے مقابل سے شکست کھا گیا۔ بنا بنایا کھیل بگڑ گیا۔ رانی نے راؤ صاحب کی ہمت بندھائی اور مشورہ دیا کہ موقعہ ہے۔ گوالیار کے قلعے پر قبضہ کر کے پھر دشمن سے نمٹا جائے۔ راؤ صاحب کو یہ تجویز پسند آئی تمام فوج کو سمیٹ کر راجہ سندھیا کو آگھیرا وہ تاب مقابلہ نہ لا سکا اور مغلوب ہوا۔ اب گوالیار رانی کے قبضے میں تھا۔ مگر راؤ صاحب بالکل ناکارہ مغرور عیاش مزاج آدمی تھا۔ گوالیار کی فتح کی خوشی میں اپنے آپ کو بھول گیا۔ سر ہیگ روز نے بھاری فوج کے ساتھ گوالیار پر حملہ کر دیا۔ شیو رام تانتیا ٹوپی اور لکشمی بائی بمشکل تیار ہو سکے پائے تھے آخر شش معرکہ پھر انگریزوں کے ہاتھ رہا۔ لکشمی بائی دو دیویوں اور چند مرد مصاحبوں کے ہمراہ میدان چھوڑنے پر مجبور ہوگئی۔ مخالف فوج اس کے پیچھے لگ گئی۔ ایک ایک کر کے انھوں نے جان کھپائی رانی بھی مجروح ہو کر گھوڑے سے گری ایک خدمتگار قریبی جھونپڑی تک لے گیا۔ لیکن کشتیٔ عمر رواں کنارے پر لگ رہی تھی چند لمحوں کے اندر مرغ روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ یہ دن ۱۸ ر جون ۵۸ء کا تھا۔

نواب علی بہادر خاں شجاع اور جری تخلص نواب تھا ادھر رانی جھانسی اور تانتیا ٹوپی کے نامہ و پیام شرکت ہنگامہ کے جاری تھے مرزا ولایت حسین خاں وزیر اعظم باندہ اور منشی سید اسمٰعیل حسین منیر سے مشورہ کیا ہر ایک جانبازی اور سرفروشی پر سر بکف تیار تھا۔ مقامی فوج کو کیل کانٹے سے درست کر کے راج گڈھ کے قلعے پر نواب نے حملہ بول دیا اور قلعہ فتح کر لیا۔ ۱۵ ر جون ۵۷ء مسٹر ایچ اے کاک ول قلعہ باندہ میں آیا اسکو مصاحبوں نے قتل کر دیا۔ اس کے

بعد ۱۸ اراکتوبر کو اردگرد سے باغی آکر جمع ہوئے۔ انکے پاس دو ہزار گھوڑے سوار تھے۔ جنرل وائٹ لاک نے حملہ کیا مگر اس کو شکست اٹھانا پڑی۔

جنگی کونسل نواب نے بنائی جس کے ارکان میں محمد سردار خاں ناظم میر انشاء اللہ سپہ سالار فوج اور وزیر اعظم مرزا ولایت حسین تھے امداد حسین اور فرحت علی افسران فوج قرار دئے گئے جنرل وائٹ لاک نے اپریل ۱۸۵۸ء کو دوسرا حملہ باندہ پر کیا مگر مقابلے پر اہل باندہ ٹھہر نہ سکے شکست یاب ہوئے ۲۰ را پریل ۱۸۵۸ء کو سرکاری قبضہ باندہ پر ہو گیا۔

نواب نے قبل بر راہ فرار اختیار کی[1] مرزا ولایت حسین اور منیر شکوہ آبادی فرخ آباد گئے۔ راستے میں گرفتار ہوئے ان پر بغاوت کا مقدمہ چلا ہر دو آگے پیچھے انڈمان بھیج دئے گئے ولایت حسین وہیں سپرد خاک ہوئے منیر آٹھ برس بعد نواب یوسف علی خاں کی سفارش سے آزاد ہو کر ہندوستان آگئے۔ اور رام پور میں اس دنیا سے ۱۲۹۷ھ انتقال کر گئے۔

نواب علی بہادر خاں حکومت کے ہاتھ لگ گئے رعایت یہ برتی کہ اندور میں نظر بند کر دیا ۳۶۰۰ روپے سالانہ مقرر کر دئے گئے ۱۸۶۷ء میں بمبئی بلائے گئے۔ گورنر کے دربار میں جگہ ملی آپ نے اندور میں سنہ ۱۲۹۱ھ میں انتقال کیا منیر نے یہ قطعہ تاریخ لکھا:۔

نواب علی بہادر اے بحر کرم — یوسف طلعت شجاع یکتا ہے ہے
اے قدر شناس و ناز بردار منیر — اے اہل سخن کے عزت افزا ہے ہے
اے صدر نشین خلق و اقبال شکوہ — اے بزم کرم معنی مسند آرا ہے ہے
اٹھ جائے جواں تو زمانہ سے ہائے — صد حیف افسوس و دریغا ہے ہے

---

[1] سرگذشت ایام غدر از خان بہادر عنایت حسین خاں الہ آبادی (الناظر ۱۹۳۵ء)

تاریخ تیری رو کے کہتا ہے منیر — فیاض زماں امیر زیبا ہے سے ہے

مولوی مظہر کریم بھی ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے مارے ہوئے تھے ان کو بھی انڈمان جانا پڑا۔ وہیں مراصد الاطلاع ترجمہ میجر جان کے کہنے سے کیا۔

قطعہ تاریخ کتاب بحکم میجر جان ہائن بہادر جزائر دریائے شور

اعنی تاریخ مراصد الاطلاع

کمشنر صاحب والا مراتب حاکم نامی — کہ جن کا فیض سوئے منزل ارم رہبر ہے

ہوا منظور ان کو ترجمہ اس تحفہ نسخہ کا — زباں صاف اردو میں کہ جو آسان بہتر ہے

مترجم مولوی مظہر کریم اس کے ہوئے دل سے — فضیلت جن کی روشن تر مثال مہر انور ہے

اسیری اور غربت میں پھنسے ہیں وہ بھی بندہ بھی — گھڑی بھر کا بھی کٹ جانا یہاں مانند خنجر ہے

منیر اس کی کہی تاریخ یوں سال سخن میں نے

یہی سیر جدید بوستان ہفت کشور ہے ۱۸۶۶

نواب تفضل حسین خاں والی فرخ آباد

نواب تفضل حسین ابن نواب عنایت حسین نصرت جنگ ابن نواب خادم حسین شوکت جنگ ابن امداد حسین خاں ناصر جنگ ابن دلیر ہمت خاں مظفر جنگ ابن احمد خاں غالب جنگ ابن امام خاں ابن قائم خاں ابن نواب غضنفر جنگ بنگش۔ نواب تفضل حسین خاں بطن سلطان عالیہ ۵ ربیع الثانی ۱۲۴۳ھ میں پیدا ہوئے۔ نواب تفضل حسین خاں کی تعلیم دتربیت نواب زادوں کی طرح تھی علمی استعداد معقول تھی۔ ان کے چچا نواب تجمل حسین خاں ظفر جنگ ابن نواب شوکت جنگ والی فرخ آباد تھے ظفر جنگ تخلص کا نواب تھا اس کی داد و دہش کی

۱ فرخ آباد اردو صفحہ ۲۰۰ و تاریخ فرخ آباد و لی اللہ فرخ آبادی قلمی ملک مولوی الطاف علی بریلوی

بڑی دھوم تھی۔ اس کے اردگرد علماء شعراء کا جھمگٹا لگا رہتا۔ منیر شکوہ آبادی بھی اس کے دربار کے شعراء میں داخل تھے۔ مرزا غالب کو بھی فرخ آباد آنے کی دعوت دی مرزا صاحب جا نہ سکے فرماتے ہیں۔

دیا ہے خلق کو بھی تا اسے نظر نہ لگے ۔۔۔ بنا ہے عیش تجمل حسین خاں کے لئے

نواب تجمل حسین خاں ۱۸۴۶ء میں لاولد انتقال کر گئے۔ نواب تفضل حسین خاں اُنکے جانشین ہوئے۔ انتظام ریاست کو بڑی قابلیت سے چلایا۔ گیارہ برس انھیں پورے حکومت کرتے ہوئے نہ گذرے تھے کہ ہنگامہ ۵۷ء رونما ہوا۔ نواب خاندان بنگش کا فرد جس کے باپ دادا انگریزوں کی چھاؤں میں پلے وہ خاموش کیا بیٹھتا یہ بھی وقت کے تقاضے سے رنگ لائے بغیر نہ رہے۔ آغا حسین کمانڈر انچیف سیتاپور سے دو ہزار فوج کے ساتھ نواب کے علاقہ میں داخل ہوا۔ نواب نے اس کی دستگیری کی دو سو نفوس اور ۴۰۰ بندوقیں اور روپیہ پیسہ سے مدد دی۔ تمام باغی نواب کے اردگرد جمع ہو گئے سات ماہ تک کامل ضلع پر حکمرانی کی۔

احمد یار خاں ناظم محسن علی خاں باغیوں کے سردار تھے جنھوں نے کل علاقہ سے جبریہ روپیہ وصول کرنا شروع کر دیا۔ مگر نواب کے اطاعت گذار تھے۔ بادشاہ دہلی نے اس کی نیابت سلطنت منظور فرمائی اور خلعت و سند سے نوازا مگر ملک بگڑ چکا تھا۔ غداروں نے ہر جگہ دھوکے دئے آخر جولائی ۱۸۵۹ء میں نواب نے اپنے کو گورنمنٹ کے حوالے کر دیا۔ ان پر بغاوت اور قتل کے مقدمہ قائم کر دئے۔ میجر بیزور نے گرفتار کرتے وقت وعدہ کیا تھا کہ اگر کسی یورپین کو تم نے قتل نہیں کیا ہے جان بخشی کی جائے گی۔ چنانچہ میجر صاحب ہی اسپیشل کمشنر مقرر ہوئے اور باغیوں کے مقدمات کی سماعت سپرد ہوئی۔ انھوں نے

رہ گئی۔ ایسے ہی واقعات جہاں جہاں انگریز نے چاہا ہندوستان میں روا رکھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستانیوں کی برس ہا برس کی محنت کی پونجی چھن گئی۔ سنہ ۱۷۷۰ء میں خشک سالی سے قحط نمودار ہوا اور لوگوں کے ذرائع نے جواب دیدیا تو وہ لاکھوں کی تعداد میں ہلاک ہو گئے۔ مگر انگریز نے اپنے یہاں غلہ بھرنا شروع کر دیا اور غرباکی معاونت یا دستگیری نہیں کی میکالے کہتا ہے:۔

"فاتح انگریزوں کے محلوں اور باغوں کے نزدیک دریائے ہگلی میں ہزار ہا نعشیں بہتی رہتی تھیں۔ پٹنہ اور کلکتہ کے گلی کوچے مردہ نعشوں اور مرنے والوں سے بھرے ہوئے تھے۔ اور انکی نعشوں کو گیدڑ، گدھ دن دہاڑے نوچتے کھسوٹتے رہتے تھے۔"

انگریزی برکات نے کچھ عرصہ بعد ایک اور ملک پر قحط ڈالا جو امساک باراں کی وجہ سے نہیں پڑا بلکہ کمپنی کا روز افزوں اقتدار اسکا سبب تھا لوٹ کھسوٹ سے گاؤں کے گاؤں خالی ہو گئے اور باشندہ بھاگ نکلے۔ کرنیل بیرڈ کے بیان کے مطابق "بنگال کی ایک تہائی سے زیادہ اراضیات بیس سال تک افتادہ پڑی رہیں۔"

ان بدنظمیوں نے ہندوستانیوں کو اسقدر عاجز کر دیا تھا کہ کمپنی سے دن بدن انکو نفرت بڑھنے لگی تھی اور اسقدر عمال کمپنی سے خوفزدہ ہو گئے تھے کہ جب کبھی انگریز مسافر پالکی میں کسی گاؤں سے گذرتا تو اسکی آمد کی خبر پاکر لوگ گاؤں چھوڑ جاتے تھے۔ کمپنی زعم باطل میں اہل ملک کو کمزور کر رہی تھی تاکہ یہ خود سری نہ کر سکیں۔ جب کمپنی کو باور ہو گیا کہ ہندوستانی غلام ہو چکا ہے۔ اب اس نے اور آگے قدم بڑھایا۔ ہندو مسلمانوں کے مذہب سے کھیلنے لگا۔ مذہبی زبانوں کے مٹانے کی تدبیریں کیں اپنے مذہب کی ترویج پر کمر باندھی۔ زمینداریاں اور جو ریاستیں صاحب اقتدار تھیں، انگریز یکے بعد دیگرے قبضہ میں لانے کے درپے ہوا۔ ملک میں

نواب پر جرم قائم کر کے پھانسی کا فیصلہ دیا ان کے بھائی نواب سخاوت حسین خاں بھی سزایاب ہوئے۔ نواب نے میجر بیزور کو وعدہ یاد دلایا مگر توجہ نہ کی گئی آخرش اپیل گورنر جنرل کے یہاں کی گئی[۱] گورنر جنرل نے سزائے موت ہٹادی اور یہ شرط رکھی کہ نواب برطانیہ کے علاقہ سے خارج البلد ہوجائیں اور اگر کبھی لوٹ کے آئے تو سزا قائم رہے گی۔ چنانچہ ۱۸۵۹ء نواب کو جہاز پر بٹھاکر عدن پہونچا دیا گیا، وہاں سے حجاز چلے گئے۔ مکہ میں رہنا سہنا اختیار کیا۔ نواب صدیق حسن خاں ۱۲۸۵ھ میں حج کو گئے تھے۔ نواب سے بھی ملے تھے فقرا کی صف میں تھے۔ غربا میں ان کا شمار تھا۔ نواب صاحب نے ایک جوڑا ان کو عطا کیا۔ آخرش نواب نے بحالت کلفت ۱۸۸۴ء میں مکہ معظمہ میں انتقال کیا۔ نواب کے بھائی نواب سخاوت حسین خاں بہادر کو پھانسی لگی اور بھی فرخ آباد کے حضرات اس ہنگامہ کے لپیٹ میں آئے۔

منیر شکوہ آبادی نے قطعہ تاریخ ذیل کا نواب سخاوت حسین خاں بہادر کے لئے لکھا۔

ریاض خلق سخاوت حسین خاں نواب	نہال باغ کرم زیب مسند شوکت
جوان قابل و فرزند خاص نصرت جنگ	غلام آل نبی سر د انجم طلعت
سخاوت اور مروت تھا بے نظیر جہاں	ریاست اور امارت کے واسطے زینت
ہر ایک دل میں جگہ اسکی جان سے بڑھ کر	ہر ایک زبان پر اس کا وظیفہ درجت
زمانہ اس کی مروت پر اس طرح شیدا	مشام روح ہو جیسے طرح عاشق نکہت
وہ بے گناہ ہوا تیغ مرگ سے مقتول	عنایت اس کو کیا حق نے گلشن جنت
منیر نے یہ کہی اس کے قتل کی تاریخ	ہوا شہید امیر اسیر باہمت ۱۲۷۴ھ

[۱] گزیٹر فرخ آباد صفحہ ۱۵۰۔

فرخ آباد کے دو حضرات کو اور پھانسی دی گئی منیر نے تاریخ لکھی ہے۔
تاریخ پھانسی نواب اقبال مند خان بہادر و نواب غضنفر حسین خاں بہادر
فرخ آباد۔

اقبال مند خاں و غضنفر حسین خاں — دونوں در محیط عطا آہ آہ ہائے
دونوں جواں نیک امیران ذی حشم — مقتول تیغ تیر قضا آہ آہ ہائے
تاریخ اس کے قتل کی کافی ہے یہ منیر
دونوں شہید راہ خدا آہ آہ ہائے۔

مولانا مولوی لیاقت علی دوآبہ کے رہنے والے تھے فقر میں دخل تھا۔ ان کے تقدس کی بڑی شہرت تھی۔ چائل کے زمینداروں نے انھیں سراہا۔ ہنگامہ ۵۷ء میں مولانا نے بھی علم جہاد بلند کیا چائل کے لوگ علم کے زیر سایہ جمع ہونا شروع ہو گئے تو الہ آباد گئے اور خسرو باغ میں آپ کا رائت جنگ لہرایا۔ دلی سے ابوظفر بہادر شاہ نے آپ کو الہ آباد کا گورنر مقرر کیا۔ مسٹر نیل نے بڑی سعی بلیغ کی کہ مولانا کا اقتدار بڑھنے نہ پائے مگر برطانیہ کا اقتدار گھن میں آگیا تھا۔ مولانا کا زور بڑھتا ہی رہا۔ سرکاری آدمیوں کی خبر لی گئی انھوں نے وہاں سے راہ فرار اختیار کی۔ کچھ عرصے بعد پوری قوت سے سرکاری فوج نے حملہ بول دیا۔ ۱۲ جون کو دریا گنج پر گولہ باری ہوئی سکھ فوج کے دباؤ سے مولانا کے ہمراہی بے سروسامانی کی بدولت پسپا ہونے لگے چنانچہ کشتیوں کے پل کی درستی کرائی گئی تاکہ دوسرے دن میجر اسٹیفن اور لایک سو آدنی مسٹر نیل کی فوج کے اس پر سے گذر سکیں۔ ۱۳ جون کو مسٹر ادر بلاک جوئنٹ مجسٹریٹ کی ماتحتی میں اور جہاں جہاں ہنگامی اور بلوائی تھے ان سے مقابلہ ہوا آخر ش مولانا کو الہ آباد چھوڑنا پڑا۔ وہاں سے لکھنؤ چلے آئے انکے سالے خان بہادر عنایت حسین خاں

ڈپٹی کلکٹر تھے۔ ان کے پاس رہے وہاں بھی انگریزی تسلط کی وجہ سے نہ رہ سکے تو[1] مولانا احمد اللہ مدراسی کے جھنڈے تلے جنرل بخت خاں کے ساتھ شریک ہوگئے۔

جنرل نیاز محمد خاں

جنرل نیاز محمد خاں نے اپنے علاقے کے بلوائیوں کو ساتھ لیکر سورج پور کے پاس گنگا کو عبور کیا اور پرگنہ کمپل پور میں داخل ہوا۔ تھانہ کھار پر ایک دو دن پڑا رہا۔ شمس آباد کے لوگ بھی اس کے ہمنوا ہوگئے ، ۲ر جون کو برگیڈیر ہوپ گرانٹ نے یکایک اس پر حملہ بول دیا مگر پسپائی ہوئی۔ باغی گنگا پار چلے گئے تین ہزار کی تعداد تھی۔ آخر ش پھر مقابلہ انگریزی فوج سے ہوا نیاز محمد خاں کو فرار ہونا پڑا۔ مکہ معظمہ گئے۔ ۱۸۶۲ء میں نواب جوناگڈھ کے یہاں آکر ملازمت اختیار کی بمبئی آئے ہوئے تھے جہاں گورنر جنرل کا قیام تھا وہاں پہ پہچان لئے گئے گرفتار ہوگئے مقدمہ چلا آخر ش سزائے موت تجویز ہوئی۔ مگر ہائی کورٹ نے کالا پانی تاحیات رکھا چنانچہ انڈمان بھیجدئے گئے وہیں پیوند خاک ہوئے۔

مولانا امام بخش صہبائی شہید

مولانا امام بخش فاروقی صہبائی ابن مولانا محمد بخش تھانیسری صہبائی کے دوسرے بھائی حکیم پیر بخش تھے دلی میں کوچہ چیلاں میں مکان بنالیا تھا علوم فارسی عربی عبداللہ خاں علوی سے تحصیل کئے۔ فارسی میں ید طولیٰ حاصل تھا علامہ کے اثر سے شعر گوئی سے بھی لگاؤ پیدا ہوگیا۔ اپنی ذاتی کاوش اور

---

[1] سرگذشت ایام غدر (الناظر ۱۹۳۶ء) "غدر کے چند علماء"۔

استاد کی توجہ سے تبحر کا درجہ حاصل ہو گیا۔ استاد نے وہ گر سکھلائے کہ نو عمری میں مرزا قتیل فرید آبادی کے ہم پایہ استاد سمجھے جانے لگے۔

مولانا محمد حسین آزاد آب حیات میں لکھتے ہیں کہ:-

"۱۸۴۲ء میں جبکہ دہلی کالج نئے اصول پر قائم کیا گیا مسٹر ٹامسن سکرٹری گورنمنٹ ہند جو آخر کو اضلاع شمال و مغرب میں لفٹنٹ گورنر ہو گئے تھے۔ مدرسین کے امتحان کے لئے دلّی میں آئے اور چاہا کہ جس طرح سو روپیہ ماہوار کا ایک عربی مدرس ہے فارسی کا بھی استاد مقرر کیا جائے"

ڈاکٹر عبد الحق نے مرحوم "دہلی کالج" میں لکھا ہے:-

"مفتی صدر الدین خاں صدر الصدور نے لفٹنٹ گورنر سے عرض کی کہ ہمارے شہر میں فارسی کے استاد صرف تین شخص ہیں ایک مرزا نوشہ دوسرے حکیم مومن خاں تیسرے امام بخش صہبائی لفٹنٹ گورنر بہادر نے تینوں کو بلوایا مرزا نوشہ بھلا یہ روگ کیوں پالنے لگے تھے انھوں نے تو انکار کر دیا۔ مومن خاں نے یہ شرط کی کہ سو روپیہ ماہانہ سے کم کی خدمت قبول نہ کروں گا۔ مولوی امام بخش کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا۔ انھوں نے یہ خدمت چالیس روپے ماہوار قبول کر لی بعد کو پچاس ہو گئے"

گارساں دتاسی فرانسیسی اپنے خطبات اردو میں لکھتے ہیں:-

"مولانا صہبائی منشی کریم الدین کے ہمعصر ہیں اور منشی صاحب اپنے تذکرہ شعراء میں بیان کرتے ہیں کہ یہ قابل مصنف دہلی میں فارسی کے سب سے زیادہ فاضل ادیب تصور کئے جاتے ہیں اور اس وجہ سے دہلی کالج میں فارسی کے پروفیسر مقرر کئے گئے"

مولانا صہبائی کا درس و تدریس کے بعد تمام وقت تصنیف و تالیف میں

گذرتا تھا۔فارسی میں کثرت سے کتابیں لکھیں۔حدائق البلاغت کا ترجمہ کیا۔مولانا حامد حسن قادری داستان تاریخ اردو میں لکھتے ہیں۔

صرف لکھنے کو ترجمہ ہے ورنہ اصل میں فن بلاغت کو اردو میں منتقل کیا ہے یہ اردو میں اس فن کی پہلی مکمل و مستند کتاب ہے۔

آپ کے فارسی کے کثیر التعداد رسائل کلیات میں شائع ہو گئے ہیں۔

واقعۂ شہادت

آفت اس شہر میں قلعہ کی بدولت آئی ۔۔۔ واں کے اعمال سے دلی کی بھی شامت آئی
روز موعود سے پہلے ہی قیامت آئی ۔۔۔ کالے میرٹھ سے یہ کیا آئے کہ آفت آئی

صہبائی کے ساتھی مولانا فضل حق مفتی صدر الدین خاں آزردہ وغیرہ اس جنگ آزادی میں شریک تھے انکو بھی شرکت کرنی پڑی۔قلعہ میں بہادر شاہ نے مجلس شوریٰ منعقد کی اس میں یہ بھی بلائے گئے جب پانسہ الٹا اور انگریز فاتحانہ طور سے دلی میں داخل ہوئے۔جنرل بخت خاں وغیرہ میدان چھوڑ گئے ظہیر دہلوی کہتے ہیں:۔

جہاں کی تشنہ خوں تیغ آبدار ہوئی ۔۔۔ سنان نیزہ ہر اک سینہ سے دوچار ہوئی
رسن ہر ایک بشر کے گلے کا ہار ہوئی ۔۔۔ ہر ایک سمت سے فریاد گیر و دار ہوئی
ہر ایک دشت قضا میں کشاں کشاں پہنچا
جہاں کی خاک تھی جس جس کی وہ وہاں پہنچا

ہر ایک شہر کا پیر اور جوان قتل ہوا ۔۔۔ ہر ایک قبیلہ و ہر خاندان قتل ہوا
ہر ایک اہل زباں خوش بیان قتل ہوا ۔۔۔ غرض خلاصہ یہ ہے اک جہان قتل ہوا
گھروں سے کھینچ کے کشتوں پہ کشتے ڈالے ہیں
نہ گور ہے نہ کفن ہے نہ رونے والے ہیں

غرض کہ جو زد میں گوروں کے آیا وہ گولی کا نشانہ ہوا ان میں کئی اشخاص باکمال نامی اور فرد روزگار تھے وہ بھی مارے گئے جو دہلی کی ناک اور یگانہ آفاق تھے جن کی نظیر آج تک پیدا نہیں ہوئی اور نہ ہوگی میاں محمد امیر پنجہ کش خوشنویس جن کا ثانی روئے زمین پر نہیں۔

مولوی امام بخش صہبائی اور انکے دو بیٹے اور میر نیاز علی واقعہ خواں اور کوچہ چیلاں کے بہت سے شریف خاندانی لوگ سنا گیا ہے کہ اس محلہ کے چودہ سو آدمی گرفتار کرکے راج گھاٹ کے دروازے سے دریا پار لیجا کر بندوقوں کی باڑیں ماردی گئیں اور لاشیں دریا میں پھکوادی گئیں۔

حضرت اکبر الہ آبادی لکھتے ہیں:-

وہی صہبائی جو تھے صاحب قول فیصل ایک ہی ساتھ ہوئے قتل پدر اور پسر

آخر میں ان کی درد انگیز شہادت پر ایک مرثیہ ملاحظہ ہو:-

ندانم کجا رفت آں نعش پاک ملک بردیا ماند بر روئے خاک
ندانم کسے داد اورا کفن دیا ماند چوں سایہ بر خاک تن
ندانم چہ کرد است با او سپہر زجامہ کفن کرد با تاب مہر
بجا کش نمودند اورا نہاں دیا مرنفع شد سوئے آسماں
کسے فاتحہ ہم بر خواندہ است بعطر گلابی برافشاندہ است
کدامی گل و بلبل و باد و خنت بجالش بجسن عقیدت گذشت
الٰہی بیامرزا مظلوم را کلاہ شہی دہ بہ ملک بقا
بفردوس اعلیٰ بود جائے او
بہشت بریں باد ماوائے او[1]

[1] رسالہ مصنف (مولانا امام بخش صہبائی) صفحہ ۵۵ تا ۶۹ از انتظام اللہ شہابی۔

مولانا شاہ سید نیاز احمد شہید بن خواجہ سید آل احمد شاہ مودودی سہسوانی ۱۲۳۳ھ میں پیدا ہوئے تحصیل علوم در سیہ دلّی و لکھنؤ میں فرمائی فن حدیث و فقہ سے خاص مناسبت تھی بعد تکمیل دہلی میں چند سال قیام فرمایا۔

مولانا محمد عبد الباقی حیواۃ العلماء میں لکھتے ہیں کہ

"مولانا طلبہ علم کو درس دینے اس کے ساتھ فنون سپہ گری و مشق تیر اندازی و شمشیر زنی و شہسواری میں ان کو مہارت تامہ حاصل کراتے بعض بزرگان دین (مولانا سید احمد بریلوی) کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی اور شریک غزوہ ہوئے۔ کفار و مشرکین سے جنگ کی۔ پھر وطن لوٹے اور اپنے والد ماجد کے ہاتھ پر بیعت کی ذکر و فکر و مجاہدہ میں لگ گئے"

ہنگامہ ۵۷ء میں شریک ہوئے اور بعمر ۳۹ سال وطن میں گولی کا نشانہ بنے۔ دست مبارک میں تسبیح اور لب پر کلمۂ شہادت تھا۔

تاریخ وفات

شہادت یافت چوں سبط پیمبر — نیاز احمد کہ بود از آل احمد
چو روح پاک او در جنت آسود — دخول خلد تاریخش بر آمد[۱]

مولوی رضی اللہ بدایونی علمی گھرانے کے فرد تھے۔ علمائے عصر سے علوم تحصیل کے درس و تدریس شغل تھا۔ اکثر انگریز آپ سے فارسی عربی پڑھتے تھے۔ مسٹر کارنیکل آپ کا شاگرد تھا۔ ہنگامہ ۵۷ء میں آپ نے بدایوں کے علاقہ میں کارہائے نمایاں کئے بعد تسلط کے مولوی صاحب بھی گرفتار ہوئے حسن اتفاق سے مسٹر کارنیکل عہدہ کلکٹری پر ممتاز تھے انکے سامنے مولانا کا مقدمہ پیش ہوا۔ مولانا طفیل احمد مرحوم لکھتے ہیں کہ۔

[۱] حکایت العلماء صفحہ ۵۲-۵۳ -

"جب کلکٹر صاحب نے مولوی صاحب سے پوچھا تو انھوں نے صاف الفاظ میں شرکت ہنگامہ کا اقبال کیا۔ کلکٹر صاحب کو چونکہ اپنے استاد سے ہمدردی تھی اس لئے انھوں نے مقدمہ ملتوی کر کے مولوی صاحب کو کہلا بھیجا کہ وہ جرم سے انکار کر دیں تو چھوڑ دئے جائیں گے مگر دوسرے روز کی پیشی میں پھر مولوی صاحب نے اقبال جرم کیا۔ اس پر کلکٹر صاحب کو مجبوراً سزائے موت کا حکم دینا پڑا۔ پھر جبکہ اس حکم کی تعمیل میں بندوق سے گولی مارنے کا وقت آیا۔ کلکٹر صاحب اپنے جذبات کو ضبط نہ کر سکے اور مولوی صاحب سے رو کر کہا، اب بھی اگر آپ شرکت ہنگامہ سے انکار کر دیں تو میں آپ کو موت سے بچا لوں گا۔ اس کا جواب مولوی صاحب نے بڑی ترش روئی سے یہ دیا کہ کیا میں تمھاری وجہ سے اپنا ایمان اور اپنی عاقبت خراب کر لوں۔ یہ کہہ کر بخوشی جان دیدی۔" [1]

مفتی عنایت احمد نے علمائے عصر سے اکتساب علوم عقلیہ نقلیہ کیا اور سند حدیث شاہ محمد اسحاق دہلوی سے حاصل کی۔ اس کے بعد قانون پڑھا۔ گورنمنٹ نے منصفی پر نامزد کیا۔

مفتی صاحب جب منصف ہو گئے تو اجلاس میں ایک طرف طلبا اپنی کتابیں لئے بیٹھے رہتے تھے اور جب موقعہ ملتا سبق پڑھ لیتے۔

۵۷ء میں مفتی صاحب کا تقرر صدر اعلیٰ کے عہدہ پر ہوا مگر قبل اس کے کہ جدید عہدہ کا کام شروع کریں۔ ہنگامہ ۵۷ء رونما ہوا جس میں آپ پر بغاوت کا الزام قائم ہوا اور جزیرہ انڈمان بھیج دئے گئے۔ ایک انگریز کی فرمائش

---

[1] روشن مستقبل صفحہ ۱۳۲ - از مولانا سید طفیل احمد منگلوری۔

پر مفتی صاحب نے تقویم البلدان کا ترجمہ کیا اور یہی ترجمہ ان کی انڈمان کی قید سے رہائی کا باعث ہوا[1]

نواب ولی داد خاں بہادر رئیس مالاگڑھ نواب کے والد کا نام بہادر خاں ابن خداداد خاں شاہ عالم کے زمانہ میں برن کے علاقہ میں عامل رہے۔ رہتورہ میں قلعہ مالال بزرگ کے نام سے بنایا۔ بہادر خاں سے مرہٹوں سے دو دو ہاتھ ہوئے ۱۸۱۴ء میں انتقال کیا ولی داد خاں کو ایک ہزار روپیہ ماہوار حکومت دیتی تھی[2] ولی داد خاں بہادر شاہ سے ملنے گئے تھے ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا۔

۲۶ مئی ۱۸۵۷ء کو نواب داد خاں بادشاہ سے سند صوبہ داری دوآبہ لے کر چند سپاہیوں اور تلنگوں اور رنگروٹوں کے ساتھ مالاگڈھ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اول غازی نگر پہونچے وہاں کا انتظام کیا۔ تحصیلدار اور تھانہ دار نے حاضر ہو کر نواب کو نذر گذرانی اور حکومت دوآبے کی مبارک باد دی۔ نواب نے وہاں کا انتظام کر کے سو سپاہی سڑک کی نگہبانی اور قصبہ کے انتظام کے واسطے تحصیلدار اور تھانہ دار متعین کئے۔ مہربان علی خاں اور مظفر علی خاں امرہوی کو اپنے ساتھ لیا۔ اور موضع دادری آ کر قیام کیا تیسرے روز اپنے مستقر مالاگڑھ (ضلع بلند شہر) پہنچ گئے اور ضروری انتظام میں لگ گئے۔

دوسرے دن سائل پور کا نمبر دار سو سواروں اور پچاس پیادوں کے ساتھ آیا اس کے بیٹے حامد خاں کو بغیر ثبوت جرم پھانسی کلکٹر صاحب نے دیدی تھی وہ خار کھائے بیٹھا ہوا تھا اس نے نواب سے آ کر شکایت کی۔

---

[1] استاذ العلماء از نواب صدر یار جنگ بہادر صفحہ ۹۷ روشن مستقبل صفحہ ۱۳۹

[2] روشن مستقبل صفحہ ۱۳۹ - کیفیت بلند شہر صفحہ ۱۴۲

اس کی دلجوئی کی گئی۔ کلکٹر صاحب کو خبر لگی۔ انھوں نے نواب کو لکھا کہ "اگر تم نے سائل پور کے فسادیوں کا ساتھ دیا تو تم کو پھانسی پر لٹکنا پڑے گا۔" اس تلخ بات نے نواب صاحب کو برافروختہ کردیا اور انھوں نے سرکشی پر کمر باندھی پہلے سرکاری ڈاک روک لی۔ یہ رنگ دیکھ کر کلکٹر صاحب میرٹھ چلے گئے۔ اس کے بعد نواب نے میدان خالی پاکر محمد اسمٰعیل خاں کو پچاس سوار اور چالیس تلنگوں اور ایک توپ دے کر بلند شہر کے قبضہ و انتظام کے واسطے روانہ کیا انھوں نے جاتے ہی قبضہ کرلیا۔ کلکٹر صاحب کسی ضرورت سے پھر لوٹ کر شہر آئے اسمٰعیل خاں ڈٹے ہوئے تھے اُن سے اور اِن سے چار آنکھیں ہوئیں۔ اسمٰعیل خاں نے سمجھایا مگر کلکٹر صاحب نے طمنچہ سے پہل کی اس پر تلنگے بگڑ بیٹھے آخر شکست پاکر مع دوسو سواروں کے کلکٹر صاحب چلے گئے۔[1]

نواب نے محمد اسمٰعیل خاں کو بلاکر امین گوجر جس کے ساتھ ایک ہزار گوجر تھے اس کی ہمراہی میں موضع کلی بٹونہ کی طرف روانہ کیا۔ وہاں کے لوگوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ محمد اسمٰعیل خاں زخمی ہوئے اور امین گوجر نے راہ فرار اختیار کی۔ مجبور ہو کر اسمٰعیل مالاگڑھ لوٹ آئے۔ نواب ولی داد خاں کے پاس سات ہزار سوار اور تین ہزار پیادے اور ضرورت کے لائق ہر قسم کا سامان بھی جمع ہوگیا تھا اس اثنا میں مسٹر ٹرنیل دوسو گورے اور تین سو سوار دیسی اور چار توپیں لے کر ہاپوڑ کے میدان میں آجمے مالاگڑھ بارہ کوس پر رہ گیا تھا نواب نے محمد اسمٰعیل اور حاجی محمد منیر خاں کی سرکردگی میں ساڑھے تین سو سوار اور دوسو پیادے موضع گلاوٹی میں مورچہ روکنے کے لئے بھیجے۔ ٹرنیل صاحب اپنی فوج لئے ہوئے نواب کی فوج پر آپڑا اور مقابلہ خوب ہا

[1] دہلی کی سزا صفحہ ۲۷۔

فساد کرانے کی صورت پیدا کی گئی۔ ۱۸۰۶ء میں ویلور میں ایک زبردست ہنگامہ ہوگیا[۱]۔ ۱۸۳۱ء میں تتو میاں انگریز طاقت سے بھڑ بیٹھا۔ ۲۴ پرگنہ ندیا اور فریدپور کے ضلع سے کچھ دن کیلئے کمپنی کا اقتدار ہی اٹھ گیا تھا۔ تتو میاں کے ساتھ ہندو مسلمان ہر دو تھے۔ مگر کمپنی نے تازہ دم فوج مقابلہ کیلئے بھیجدی نارکل بیڑ با پر تتو میاں مقابل آیا اور شہید ہوگیا۔ سپہ سالار فوج اور ایک سو چالیس (۱۴۰) مجاہد پکڑے گئے رسالدار کو پھانسی لگی اور ایک سو چالیس (۱۴۰) نفوس کو بمبئی جیل میں بعد مقدمہ بند کردیا۔ اب علماء نے کروٹ لی۔ مولوی شریعت اللہ اور مولوی کرامت علی جونپوری نے ہندو مسلم اسی ہزار نفوس کی جماعت فرازی کے نام سے بنائی۔ اس جماعت نے دو دو میاں کے زیر سرکردگی انگریز سے مقابلہ کیا مگر معاملہ آگے نہ بڑھ سکا دب گیا۔

ان ہنگاموں کے واقعات سے کمپنی پے کوئی اثر نہ رہا بلکہ ہندوستان پر دوامی اقتدار قائم کرنے کیلئے جو اسکیم پیش کی تھی وہ بڑے کارلائی جاری تھی۔ اٹھارویں صدی کے اواخر میں ہندوستان میں تعلیم کی ترقی تھی۔ یہاں تعلیم کا وہی تناسب تھا جو اس وقت یورپ کا تھا[۲]۔

صرف دہلی شہر میں ۱۲۲۵ھ میں ایک ہزار کالج اور دو ہزار اسی مساجد جن میں عام درسگاہیں تھیں۔ مخلص وائٹ ہیڈ مدراس کا پادری ایک جگہ کہتا ہے۔

کمپنی نے پادریوں کے مشن جو ہندوستان بھیجے تھے عیسوی تبلیغ کے ساتھ یہاں کی تعلیم بھی انکے سپرد کی گئی جنہوں نے ہر جگہ تعلیمی ادارہ اپنے کھول دیئے اسکا اثر یہ ہوا مکاتب اور پاٹ شالاؤں پر اوس پڑ گئی۔ پانچ برس میں چالیس فیصدی ناخواندہ نظر آنے لگے اسی طرح یہ ہوا کہ لارڈ میکالے نے ہندوستانی ادب کا تختہ الٹ دیا۔ انگریزی تعلیم کی اسکیم نافذ کرکے مادری زبان کی تعلیم کو فنا کردیا۔

---

۱ تاریخ وطنیت ۲ بنگال کے گاؤں کا تعلیمی معیار اسکاٹلینڈ کے گاؤں کے معیار سے بہتر تھا۔

مگر اسمٰعیل خاں کو پسپا ہونا پڑا۔ نواب صاحب کو خبر لگی اس دن امیر علی خاں وامراؤ بہادر پسران نواب مظفر علی خاں رئیس کھلیا چھ سو سوار اور چار سو پیادے لے کر نواب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

شیخ زین العابدین میاں ذکی شاعر کے بھائی بھی نواب صاحب کے پاس پچاس سوار کے رسالدار ہو کر آلئے۔ غرضکہ نواب سے اور انگریزوں سے مڈبھیڑ کچھ عرصہ رہی۔ آخر ش دہلی فتح ہونے کے چند دن بعد ہی مالاگڈھ پر انگریزی فوج نے دھاوا بول دیا مقابلہ خوب رہا مگر شکست کا منھ دیکھنا ہی پڑا آخر رئیس کھلیا اور نواب ولی داد خاں ۲۵ ستمبر کو بریلی پہونچے۔ انگریزی فوج نے مالاگڈھ کے علاقہ کو ضبط کر کے مالاگڈھ کے قلعہ کو کھود کر زمین کے برابر کر دیا۔ بلند شہر کے کلکٹر نے خان پور اور خورجہ کے اکثر لوگوں کو گرفتار کر کے دار پر چڑھا دیا۔ نواب صاحب روپوش ہو گئے۔ بقیہ حالات سے تاریخ خاموش ہے۔

میر نواب دن میر تفضل حسین وکیل جو خزانہ انگریزی فوج کے ساتھ آئے تھے۔ مرزا ابو بکر کے کارفرما تھے۔ جے پور سے پکڑے گئے پھانسی لگی۔

شاہ احمد سعید نواسہ شاہ غلام علی قدس سرہ کمال الدین لکھتا ہے

"موحد وبانی مبانی جہاد قبل از داخلہ فوج سرکار مقہور نواب صفدر جنگ میں جا کر رہے اسکے مرید جاں فشاں خاں رسالدار ساکن سرٹھ بزمانہ آزادی سرکار سے لیکر انکو مع مولوی حیدر علی کے ساتھ کابل چلے گئے[1] وہیں عمر گذار دی۔

[1] تواریخ اودھ جلد دوم صفحہ ۳۶۳۔

حکیم محمد حسن خاں نبیرۂ نواب محبت خاں روہیلہ یہ بھی شاہجہانپور میں ان دنوں قیام پذیر تھے۔ ناظم شاہجہاں پور کے ہمنوا بن گئے۔ آخر شورش ہنگامہ کے نذر ہوئے [۱]

ذوالفقار الدولہ محمد نجف خاں عرف آغا سلطان نواسہ نواب خاں سرشتہ بخشی گیری پر مامور تھے ہنگامہ کے بعد سے پتہ نہ لگا مارے گئے یا زندہ بچے۔

نائب کپتان میر نواب اور کپتان دلدار خاں اولاد مجدالدولہ بہادر کپتان قدیم شاہی دویم الذکر یہ لاپتہ ہوئے۔ میر نواب کرنال میں پکڑے گئے پھانسی دی گئی۔

میر اشرف علی خاں قیلبان شاہی خطاب فوجدار خاں تھا۔ پانی پت میں تین سال قید رہے حکیم احسن اللہ کی سفارش سے آزاد ہوئے۔

نواب شرف الدولہ محمد ابراہیم خاں بہادر امرائے لکھنؤ سے تھے محمد علی شاہ کے عہد میں عہدۂ وزارت پر مامور ہوئے۔ مگر امجد علی شاہ کے عہد میں ریذیڈنٹ کی سفارش پر اسی سے متعلق کر دئے گئے جب واجد علی شاہ سریر آرائے مسند ہوئے ان کی دیوانی کا حق تھا مگر واجد علی شاہ ان سے خوش نہ تھے۔ علی نقی خاں کو مدار الدولہ خطاب دے کر دیوان مقرر کیا گیا۔ ان کے حاسدوں نے نواب سے کچھ سے کچھ جڑا۔ چنانچہ ۹ ربیع الاول ۱۲۷۰ھ مرزا علی رضا بیگ کوتوال شرف الدولہ کے پاس آئے کہ آپ کے لئے اخراج شہر کا حکم ہوا ہے۔ شرف الدولہ گاڑی میں سوار ہو کر ریذیڈنٹ کے پاس آئے انھوں نے نواب کو لکھا کہ:-

---

[۱] تاریخ اودھ صفحہ ۴۶۷۔

"شرف الدولہ نہتمم اہل اور اتالیق فردوس منزل ہے انکی حفاظت اور کفالت و وکالت متعلق سرکار ہے یہ امر موجب ہماری توہین کا ہوا۔"[1]

واجد علی شاہ نے سنا فرمایا کہ ہمیں بہرحال خلاف مرضی نواب گورنر کوئی امر ملحوظ خاطر نہیں۔ لہٰذا ہم اپنا حکم واپس لیتے ہیں۔ مولوی امیر علی شاہ کی شہادت کے واقعہ کے بعد معزولی واجد علی شاہ کا حکم آیا اور اشتہار ضبطی اودھ شائع ہوا۔

دسویں فروری ۱۸۵۶ء

نقل اشتہار واسطے اطلاع سکنائے ملک اودھ بموجب حکم محکم نیدگان نواب مستطاب معلی القاب گورنر جنرل دام اقبالہٗ کے جاری ہوا۔

واقع تاریخ ہفتم فروری ۱۸۵۶ء بموجب اس عہد نامے کے جو ۱۸۰۱ء میں موئد ہوا سرکار دولت مدار کمپنی انگریز بہادر نے حفاظت بقیہ ملک سرکار اودھ کی جملہ اندرونی و بیرونی سے اپنے ذمے قبول کر لی اور والی ملک اودھ اب سے سررشتہ بندوبست کے جاری کرنے کے واسطے معرفت اپنے ہلکاروں کے خود ذمہ دار ہوا کہ ان کے باعث سے رفاہ خلائق و حفاظت جان و مال ساکنان ملک اودھ کی حاصل ہووے۔ چنانچہ جو ذمہ داری اس عہد نامے کی رو سے سرکار دولت مدار کمپنی انگریز بہادر کو عائد ہوئی۔ زیادہ عرصہ پچاس برس سے تعمیل اس کی وعدہ وفائی ساتھ علی الاتصال ہوتی رہی۔ اگرچہ سرکار دولت مدار درمیان عرصۂ مذکور کے جنگ وجدال متواتر میں مصروف رہی تاہم ملک اودھ کی زمین پر کوئی دشمن بیرونی قدم بھی دھرنے نہ پایا اور کسی طرح کا فساد عظیم تخت اودھ کی پائے داری میں خلل انداز نہ ہوا۔ افواج سرکاری ہموارہ

[1] تواریخ اودھ جلد دوم صفحہ ۹۹۔

شاہ اودھ کے قرب و حضور میں حاضر باش رہی اور جب کبھی بہ نسبت اقتدار بادشاہی کے ناحق کسی نے دھمکی دکھلائی تو افواج مذکورسے اعانت دینے میں ہرگز دریغ نہ ہوا باوجود اس معاہدۂ عظیم واستوار عہدنامہ مذکور کے جملہ والیان اودھ کی جانب سے برعکس اس کے علی الاتصال بالکلیہ تساہل و تغافل ہوتا چلا آیا اور میثاق کے واسطے اجرائے ایسے سررشتہ بندوبست کے ظہور میں آیا کہ وہ موجب حفاظت جان و مال رعایا و سکنائے ملک اودھ و نتیجہ رفاہ اُن کی کے ہووے۔ تاہم گویا وہ دیدہ و دانستہ بطور رویہ اپنے کے اس سے تجاوز و انحراف کرتے رہے بسبب انحراف اس میثاق کے ممکن تھا کہ سرکار دولت مدار کمپنی انگریز بہادر اُس سے کہیں پہلے عہدنامہ مذکور کو ناجائز گردانتی اور بہ نسبت خبر گیری والیان ملک اودھ کے انکار کرتی معہذا تا الحال سرکار کمپنی انگریز بہادر کو اجرا ایسے امورات کا جو کہ مخل اختیار و اقتدار ایک دودمان عالی شان کے ہو منظور نہ تھا۔ ہر چند انھوں نے رعایا کی نسبت کیسے ہی احکامات خلاف عدل و انصاف کئے ہوں مگر ہموارہ بہ نسبت کمپنی انگریز بہادر کی دوستی و وداد پر قائم رہی تاہم کمپنی انگریز بہادر نے واسطے بچانے رعایائے ملک اودھ اس تعدی عظیم و پریشانی سے جو عائد حال رعایا کے علی الاتصال ہی یکساں کوشش توجہ کے بہت برس گزرے کہ گورنر جنرل بہادر لارڈ ولیم بنٹنگ نے بنظر اس کے کہ جو جدوجہد واسطے بہتری احوال رعایائے ملک اودھ پیشتر ظہور میں آئی تھی اس کی مزاحمت یا تعرض ہوا حسب سررشتہ دربار لکھنؤ اطلاع دی کہ ضرورۃً تمام و کمال انتظام ممالک اودھ کو باہتمام اہلکاران سرکار کمپنی کے داخل کرنا پڑے گا۔ چنانچہ جو کلمات و تنبیہ لارڈ ولیم بنٹنگ کی جانب سے ظہور میں آئی اُسکو آٹھ برس کا عرصہ ہوا کہ لارڈ ہارڈنگ

بہادر نے بذات خود اعادہ کیا اُس زبان میں والی اودھ کو بڑے اصرار کے ساتھ سمجھایا گیا کہ آئندہ کیسا ہی واقعہ وقوع میں آوے یہ بات تمام عالم پر روشن ہو گئی کہ بطور دوستانہ و بروقت مناسب تنبیہ وآگہی دی گئی مگر بسبب تمردی نالائقی وبا سہل انگاری وزرائے و بادشاہان اودھ کے مقاصد دوستانہ سرکار کمپنی انگریز بہادر کارائگاں ہوا۔ پچاس برس سے زیادہ عرصہ تک جو صلاح بے غرضانہ چشم نمائی ہائے غضبانہ مع تنبیہات و اعتراضات و تہدیدات متواتر ومتوالی وقوع میں آئیں اُن میں سے کوئی بھی اصلاح پذیر نہ ہوئی۔ عہدنامے کے اصل میثاق پر عمل نہ ہوا۔ شاہ اودھ کے وعدے کی تعمیل نہ ہوئی اور رعایائے ملک اودھ اب تک بے چارہ مایوسانہ بسبب نالائقی وخیانت وتعدی برباد ہوتی ہے۔ یہ بات تمام ملک میں مشہور ہے کہ شاہ اودھ مثل اکثر والیاں پیشین ملک مذکور کے اس ملک کی مہمات کے انتظام میں تیغی مداخلت نہیں کرتے ہیں تمام ممالک اودھ میں اختیار حکومت عموماً یا تو مقربان کمین یا اشخاص جابر وخائن کو جو کارگزاری میں نالائق اور درجۂ اعتبار سے ساقط ہیں تفویض ہوتا ہے۔ محصلان مالگزاری اپنے اپنے علاقہ جات میں سرخودی کے ساتھ حکمرانی کر کے رعایا سے بلا ماہ تعہد سابق یاحال کے جبراً کوڑی پیسے تک مواخذہ کرتے ہیں۔ اکثر افواج شاہ اودھ بے ضبط وربط و بسبب بداعمالی بخشیان افواج مشاہرے سے محروم ہیں اور اپنی معیشت کے واسطے دیہات کو گویا لوٹنے کے مجاز ہیں۔ یہاں تک کہ جس ملک کی حفاظت کے واسطے وہ متعلق ہیں اُس پر وہی جابر وقاہر ہوتے ہیں۔ غول کے غول ڈاکوؤں کے علاقہ جات کو غارت کرتے ہیں۔ آئین عدل کا نام ونشان نہیں۔ ہتھیار باندھ کر خانہ جنگی اور خونریزی رات دن ہوتی رہتی ہے اور کسی جگہ لحظہ بھر بھی

حفاظت جان ومال کی مطلق نہیں ہے فقط اب وہ وقت آیا کہ سرکار انگریز بہادر زیادہ متحمل ان برائیوں اور خرابیوں کی نہیں ہو سکتی جن کو بسبب تعلق ہونے سرکار کے عہد نامہ مذکور کے رو سے مضبوطی حاصل ہوتی ہے اور سرکار وہ خبر گیری والیان اودھ پر کہ جس کے باعث سے صرف وہ اقتدار کہ منبع خرابیاں مذکور کا ہے بحال وبرقرار نہیں رکھ سکتی۔ اور یہ بھی واضح ہوا کہ حفاظت سکنائے ملک مذکور کی اس تعدی عظیم سے جو کہ مدت سے لاحق ہے کسی صورت سے ممکن الوقوع نہیں ہے۔ بجز اس کے کہ انتظام کلی ممالک اودھ مستدام سرکار کمپنی انگریز بہادر کو مفوض ہو وے اس غرض سے حسب الحکم خاص استرضائے آنریبل کورٹ آف ڈائرکٹرز یہ بات ٹھہری کہ عہد نامہ ۱۸۰۱ء میں کہ اس سے ہر ایک والی اودھ نے انحراف وتجاوز کیا ہے۔ آج کی تاریخ سے بتمامہ ناجائز وساقط ہے چنانچہ واجد علی شاہ بادشاہ اودھ کو واسطے انعقاد ایک عہد نامہ جدید کے نصیحت کی گئی کہ جس کی رو سے دوام ومستدام نظم ونسق کل ملک اودھ کا بلا اشتراک غیر سرکار کمپنی انگریز بہادر کو تفویض کیا جاوے ومراتب ضروری واسطے بحال وبرقرار رکھنے منزلت ودولت وتوقیر شاہ اقربا ان کی کے ظہور میں آوے۔ معہذا شاہ موصوف نے اسی عہد نامہ دوستانہ کے انعقاد سے انکار کیا۔ فقط

ازانجا کہ شاہ اودھ واجد علی شاہ مثل جملہ والیان پیشین ملک اودھ کے اسی میثاق استوار عہد نامہ ۱۸۰۱ء کی تعمیل میں سن کر یا سہل انکار یا غافل ہوا جس کی رو سے اجرا ایسے سر رشتہ بندوبست کا اپنے ممالک میں کہ موجب رفاہ وخیریت رعایا کی ہو لازم گردانا گیا۔ وازانجا کہ عہد نامہ جس سے یوں ہی انحراف ہونا جائز وساقط گردانا گیا اور چونکہ شاہ موصوف انعقاد عہد نامہ جدید سے جو کہ بجائے عہد نامہ سابق ملحوظ تھا منکر ہوا اور چونکہ شرائط

عہد نامہ سابق جیسا کہ بحال تھے بہ نسبت مداخلت اہالیان کمپنی انگریز ملک اودھ میں مانع ہیں وبدون ایسے مداخلت کے اجرائے سر رشتہ بند وبست شائستہ اس ملک میں ممکن نہیں ہے۔ ان وجوہات سے تمام عالم کو واضح وہویدا ہے کہ سرکار کمپنی انگریز بہادر کو سوائے دو صورت کے اور کوئی چارہ کار نہیں ہے یا تو ملک اودھ کی رعایا کو ترک کریں اور ان کے ہاتھ پانوں باندھ کر اس معرض ظلم وتعدی میں جو کہ ظاہرا سرکار کمپنی انگریز بہادر نے بنظر شرائط منضبطہ عہد نامہ کو مدت تک روا رکھا یا سرکار موصوف اپنے اقتدار عظیم کو بحق ان لوگوں کے نفاذ کریں جن کی رفاہیت کے واسطے پچاس برس کے عرصے سے دست اندازی کا وعدہ کیا گیا تھا اور تمام وکمال نظم ونسق وبندوبست ممالک اودھ ہمیشہ کے واسطے اپنے قبضہ اختیار میں کرلیویں۔ ان دونوں صورتوں میں سرکار کمپنی انگریز بہادر نے بلا تامل دوسری صورت کو اختیار کیا ہے۔ لہٰذا اشتہار دیا جاتا ہے کہ آج کے دن سے نظم ونسق ممالک اودھ بلا شرکت غیرے دوام ومستدام بقبضہ اقتدار کمپنی انگریز بہادر کے آگیا سب عامل وناظم چکلہ دار وجملہ نوکران دربار وسب اہلکاران چہ مالی وچہ ملکی ودیوانی وفوجی وسب سپاہان دربار وغیرہ وجملہ سکنائے اودھ کو لازم ہے کہ آئندہ سرکار کمپنی انگریز بہادر کے اہلکاران کی اطاعت وفرماں برداری کلی کرتے رہیں۔ اگر کوئی اہلکار دربار جاگیر یا زمیندار یا دوسرا شخص کسی اطاعت وفرمانبرداری سے اغماض کرے یا اگر کوئی مالگزاری کے دینے میں عذر لاوے یا اور کوئی طرح سے سرکار کمپنی انگریز بہادر کی حکومت میں تعرض ومزاحمت پہنچاوے تو شخص مذکور مفسد گنا جاوے گا اور بھی وہ معتبر نہ گنا جاوے گا اور جاگیر یا آراضی اس کی ضبط کی جاوے گی اور ان لوگوں کو جو فوراً بلا عذر تابعداری سرکار کمپنی انگریز بہادر کی قبول کرینگے عامل ہوں یا

اہالیان دربار یا جاگیردار یا زمیندار یا سکنائے اودھ سب سے وعدہ کیا جاتا ہے
کہ وہ حفاظت و لحاظ و التفات اہالیان کمپنی انگریز بہادر کے پاویں گے اور
پاتے رہیں گے۔ تعیین تعداد مالگزاری از روئے انصاف بندوبست واجبی کے
عمل میں آویگا و بتدریج بابت آبادانی و آراستگی مالک اودھ کے جدوجہد
برابر ہوتی رہے گی۔ ہر کسی کو بلا طرفداری احد سے عدل گستری ہوتی رہیگی
جان و مال کی حفاظت کی جائے گی۔ اور ہر ایک شخص اپنے حقوق واجبی
پر بلا اندیشہ اور بلا دست اندازی کسی کے قابض و متصرف رہیگا۔ فقط

اس اعلان نے محلات معلیٰ میں اور گھر گھر ماتم برپا کر دیا۔ نواب
واجد علی شاہ نے نواب محسن الدولہ بہادر نواب منور الدولہ صحت الدولہ
شرف الدولہ محمد ابراہیم خاں بھی بلائے گئے مشورے ہوئے مگر سب بے سود
رہا۔ آخرش نواب وزیر کو کلکتہ جانا پڑا۔ اس واقعہ کا اثر تمام شہر کے خورد
وکلاں نے لیا۔ اور غم و غصہ کا اظہار ۵۷ء میں ظہور میں آیا۔ برجیس قدر
کو تخت نشین کیا، نگراں حضرت محل ہوئیں۔ شرف الدولہ کو نیابت کا عہدہ
تجویز ہوا انھوں نے کہا کہ

"میں قدیم سے اس گھر کا دو تنخواہ ہوں کاروبار سرکار بجالاؤں گا
مگر خلعت نیابت نہ لوں گا" [۱]

مجبور کیا گیا اور وزارت کا عہدہ سنبھالا اس کے بعد ہر ایک مشورہ میں
شریک برجیس قدر کے رہے۔ حضرت محل نے لکھنو چھوڑا اشرف الدولہ کے
گھر اتریں اور ان سے کہا تم میرے ساتھ چلو انھوں نے عرض کیا آپ تشریف
لیجائیں میں فوج جمع کر کے عقب میں حاضر ہوتا ہوں۔ انکے جاتے ہی یہ گھر سے

---

[۱] قیصر التواریخ جلد دوم صفحہ ۲۲۸ -

چلے رفیق الدولہ کی سبیل کے پاس گئے تھے تلنگوں نے پکڑ لیا۔ اتنے میں مسٹر کارنگی فاتحانہ طور سے شہر پر قبضہ کر کے گشت کرتے ہوئے آنکلے۔ دو شخص تلوار لئے شرف الدولہ کو گھیرے کھڑے ہوئے تھے۔ نماز کا وقت آیا۔ یہ نماز میں مشغول ہوئے۔ ایک نے گولی ماری دوسرے نے تلوار کا وار کیا کارنگی صاحب نے عنایت علی سے جو موجود تھا پوچھا یہ کس کی لاش ہے اس نے کہا نواب شرف الدولہ کی حکم دیا خاکروب اٹھا کر ایک گڑھے میں ڈال دیں[1]۔ غرضکہ اس طرح یہ شہید وطن پیوند خاک ہوا۔

تاریخ شہادت نواب شرف الدولہ بہادر
۲ر شعبان ۱۲۷۴ھ

شرف الدولہ فلک مرتبہ ہمنام جلیل
صاحب خلق وحیا منصف و فیاض و حلیم
چوں بدرگاہ ضیا بار جناب عباس
شد قتیل ستم لشکر غدار لئیم
ماندبے گور و کفن جسم شریفش برخاک
شد رواں روح بہ لطفش سوئے فردوس مقیم
آرے آری شہدا را ز عنایات خدا
کفن از حلہ بود غسل ز آب تسنیم
بعزم کعبہ انہیں واقعہ شد چشم پر آب
پشت محراب دوتا گشت از یں رنج عظیم
بدل چاک رقم کرد شجاعت تاریخ
شد سیہ پوش حرم الم ابراہیم[2]

[1] تبصرۃ التواریخ صفحہ ۳۵۷ ۔ [2] شیخ بہادر علی شجاع لکھنوی تبصرۃ التواریخ صفحہ ۵۸

آغا مرزا اکمل پوش واجد علی شاہ کے زرہ پوشوں میں ملازم تھا معزولی بادشاہ سے ملول رہا کرتا تا کہ ہنگامہ رونما ہوا انکے ہمراہ چھوٹے خاں رنگ پوش عوض علی وغیرہ شریک شورش ہوئے۔ آغا کے مکان کے برابر منڈسن کپتانی محافظ دفتر گیلنس صاحب فنیشل کمشنر کا آوردہ رہتا تھا وہ برآمدے میں بیٹھا تھا اس نے کہا آغا کس ہنگامہ فساد کی فکر میں ہو عبث تمہارا گمان غلط ہے کچھ تم سے نہ ہو سکے گا۔ آغا مرزا نے ترشی سے جواب دیا جس پر منڈسن نے گولی چلائی۔ یہ بچ گئے۔ پھر تو اس پر ٹوٹ پڑے کام تمام کیا اور عیش باغ پہنچ کر جہاں ہزارہ سو آدمی جمع ہو چکے تھے نشان محمدی اٹھا کر چوک ہو کر امام باڑے نواب آصف الدولہ کے یہاں در گئے۔ وہاں سے گاؤ گھاٹ کی راہ چلے۔ اور حسین آباد پہونچے یہاں سرکاری تلنگوں سے مڈبھیڑ ہوئی آغا مرزا مجروح ہوئے اور گرفتار ہوگئے۔ طالب یار خاں بھی شریک تھے وہ بھی گرفتار ہوئے ان کے ساتھی عوض بیگ بھی تھے۔ اکبری دروازہ پر ان سب کو معہ ۴۰ آدمیوں کے دار پر کھینچ دیا گیا۔

کاظم علی خاں کنبوہ فیض آباد میں تحصیلدار تھے۔ یہ ملیح آباد گئے۔ انھوں نے ازراہ ہمدردی کپتان ویسٹن کو بچا بلاد حراستہ بیلی گارڈ میں پہونچایا مگر قومی جوش میں آ کر دربار برجیس کے ایک رکن اور نانا راؤ پیشوا بٹھور کی طرف سے وکیل مطلق بن گئے۔ کرنیل چیمبرلین نے بعد ہنگامہ انکی سفارش کی مگر شنوائی نہ ہوئی۔ آگے کا حال معلوم نہ ہو سکا۔

چودھری حشمت علی سندیلہ کے رئیس تھے۔ برجیس قدر کی معاونت کے لئے ایک ہزار فوج لیکر آئے اور انگریزی دلسا کے مقابلہ میں داد شجاعت دیتے رہے ان کے شریک میر متصب علی رسول آبادی اور راجہ دیبی بخش سنگھ